The Late Rev. Allama Barakat Ullah
M.A.F.R.A.S

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ تیغ وسپر عیسوی نمبر ۲

Mystery Religions and Christianity

Vol.2

A Reply to Objections against
Khwaja Kamal -u-Din's Books

Entitled "Sources of Christianity "

By

The Late Allama Barakat Ullah (M.A)
Fellow of the Royal Asiatic Society London

نورالہدیٰ

حصہ دوم

مصنفہ

علامہ برکت اللہ ۔ایم ۔اے

بجواب

ینابیع المسیحت مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب قادیانی

1929
www.muhammadanism.org
(Urdu)
September 7, 2004

در یادگار

عرش آشیانی

پادری ڈبلیو۔ ایچ۔ ٹی گیرڈنر صاحب

آپ نے اپنے آخری ایام میں اس کتاب کے لکھنے
میں میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

برکت اللہ

دعائے دنیائے اسلام" اے خدا! ہم کو سیدھی راہ پر چلا"
جواب مسیح ۔ راہ، حق اور زندگی میں ہوں"

رسالہ

نورالہدیٰ

بجواب

ینابیع المسیحیت مصنفہ خواجہ کمال الدین

حصہ دوم

موسم بہ

مسیحیت اور مشرکانہ عقائید

مصنفہ

علامہ برکت اللہ ۔ ایم ۔اے

فہرست مضامین نور الہدیٰ حصہ دوم

باب چہارم ۔ اناجیل اور مشرکانہ عقائد

باب چہارم
اناجیل اور مشرکانہ عقائد
فصل اول
اناجیل کی تاریخ تصنیف
خواجہ صاحب کادعویٰ اوراس کی بطالت

خواجہ کمال الدین صاحب اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ مسیحیت اورمشرکانہ مذاہب درحقیقت ہی ہیں ایک انوکھا ثبوت پیش کرتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں ۔" آج یہ امر مسلم ہوگیاکہ انجیلیں بہت بعد کے وقت لکھی گئیں۔ جب کہ اس وقت کے معلمانِ مسیحیت اپنے مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے شماسی روایات اورپیگن ازم کی دوسری روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں داخل کررہے تھے "صفحہ ۹۳۔ ہم اس فصل میں انشاء اللہ یہ ثابت کردینگے کہ یہ انوکھا دعوےٰ لفظ بلفظ غلط ہے اوراگر یہ دعوےٰ غلط ثابت ہوجائے تو حضرت خواجہ صاحب کااصلی دعوےٰ کہ مسیحیت اورمشرکانہ مذاہب میں کچھ فرق نہیں خود بخود غلط ثابت ہوجائیگا۔

انجیل پہلی صدی کی تصنیف

خواجہ صاحب کا یہ قول بے بنیاد ہے کہ" آج یہ امر مسلم ہوگیا ہے " کہ انجیل اس وقت تحریر کی گئیں جبکہ معلمانِ مسیحیت۔۔۔۔ پیگن ازم کی

روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں داخل کررہے تھے" ۔ کاش کہ خواجہ صاحب کسی مسلم الثبوت اور مستند عالم کی کتاب کا حوالہ دے کر ہم کو بتاتے کہ کون اس امر کو تسلیم قرار دیتا ہے خواجہ صاحب کے کہہ دینے سے کوئی امر مسلم نہیں ہوسکتا۔

ہم خواجہ صاحب اوران کے ہم خیال اصحاب کو بتادیتے ہیں کہ تمام مستند علما اس بات پر متفق ہیں کہ چاروں اناجیل پہلی صدی کے دوران میں لکھی گئیں اور دوردراز کے ممالک کی کلیسیاؤں میں پہلی صدی مسیحی میں مروج بھی تھیں۔ چنانچہ عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے[1] ہے کہ وہ ۷۰ء اور ۹۰ء کے درمیان تصنیف کی گئیں تھیں۔ مرقس کی انجیل سب سے پہلے تحریر کی گئی تھی۔ اور بالعموم یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یروشلیم کی بربادی سے پہلے ۶۶ء اور ۷۰ء کے درمیان تحریر کی گئی تھیں جے وائس J.Weiss کا خیال ہے کہ یہ انجیل ۶۴ء اور ۶۶ء کےدرمیان لکھی گئی تھی ۔ لوقا کی انجیل ۷۰ء اور ۸۰ء کے درمیان لکھی گئی جرمن نقاد ڈاکٹر ذاہن Zahn اور انگریزعالم ڈاکٹر پلمر کا بھی یہی خیال ہے Plummer بعض علماء کا خیال ہے کہ یوحنا کی انجیل ۸۰ء اور ۱۱۰ء کے درمیان لکھی گئی تھی ڈاکٹر وسٹکٹ کا خیال ہے[2] ہے کہ وہ ۹۰ء اور ۱۰۰ء کے درمیان تحریر کی گئی تھی۔ پولوس رسول غالباً ۶۴ء میں شہید کیا گیا تھا۔لہذا مقدس پولوس رسول کے تمام خطوط اس تاریخ سے پہلے لکھے ہوئے ہیں۔ پطرس کا پہلا خط بھی اسی سال لکھا گیا۔ڈاکٹر ہارنیک کہتا ہے کہ تمام تحریرات جو یوحنا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ۸۰ء اور ۱۱۰ء کے

[1] Peak's One Volume Commentary :p.700
[2] Westcott's Commentary Vol.1.p.IXXXII.

درمیان لکھی گئی ۔ پس اتفاق رائے سے تمام مستند نقاد انجیل جلیل کی کتب کو پہلی صدی کی تحریرات میں شمار کرتے ہیں۔اب ہم خواجہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیاوہ ثابت کرسکتے ہیں کہ پہلی صدی کے معلمان مسیحیت اپنے مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے شماسی روایات اور پیگن ازم کی دوسری روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں داخل کررہے تھے ؟ تاریخ اس امر کا انکار کرتی ہے۔ معلوم نہیں کہ حضرت خواجہ صاحب کے ماخذ کیا ہیں۔

چند مسلم الثبوت علماء کا خیال ہے کہ انجیلیں ان تاریخوں سے پیشتر لکھی گئیں مثلاً ریکھم کہتا ہے کہ اعمال کی کتاب ۶۰ء میں لکھی گئی تھی۔ اگر یہ درست ہے تو لوقا کی انجیل اس تاریخ سے بہت پہلے لکھی گئی تھی۔ (اعمال ۱: ۱)لوقا چونکہ ہمیں بتاتا ہے ۔ کہ اس سے پہلے بہتوں نے کمر باندھی کہ سیدنا مسیح کے اقوال وافعال کو جمع کریں اور وہ مرقس کی انجیل کا استعمال بھی کرتا ہے۔ لہذا مرقس کی انجیل ۴۰ء اور لوقا ۴۵ء کے قریب لکھی گئی ۔ یعنی منجئی عالمین کی وفات کے دس سال کے اندر اندر لکھی گئی ہوگی۔آرچ ڈیکن ایلن کہتا ہے کہ متی کی انجیل ۵۰ء میں تحریر کی گئی تھی۔ اگر ان علما کی تاریخیں درست ہیں تو خواجہ صاحب کو یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ سیدنا مسیح کی وفات کے دس پندرہ سال کے اندر اندر معلمان مسیحیت اپنے مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے شماسی روایات اور پیگن ازم کی دوسری روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں داخل کررہے تھے"۔ ہر صحیح العقل شخص اس دعوےٰ کے تصور کو ہی مضحکہ انگیز خیال کرکے رد کریگا چہ جائیکہ وہ اس کو ایک " امر مسلم " کہے۔

اس امر کا خواجہ صاحب کو خود بھی اقبال ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ شمسی پرستی کی روایات اور عقائد " نہ مسیح نے نہ اس کے بعد تین صدیوں میں

سکھائے گئے بلکہ چوتھی صدی میں جب مسیحیت اور شمس پرستی کا تصادم ہوا۔ عیسائی مذہب میں آداخل "ہوئے صفحہ ۸۴۔ پھر نامعلوم آپ کیوں مُصر ہیں کہ " اناجیل اس وقت لکھی گئیں جب کہ معلمانِ مسیحیت پیگن ازم کی روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں داخل کررہے تھے"۔ جس کا مطلب ہم یہی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے خیال میں اناجیل " چوتھی صدی " میں لکھی گئیں۔ لیکن اگر اناجیل چوتھی صدی میں لکھی گئیں توان کے ترجمے دوسری صدی میں کیسے ہوگئے اور پہلی دوسری اور تیسری صدی کے آبائے کلیسیا اپنی تحریرات میں کس طرح ان کے اقتباس کرگئے۔ آبائے کلیسیا میں سے صرف چھ اشخاص یعنی جسٹن ، آیرنیوس، سکندریہ کا کلیمنٹ ، اوریجن، ٹرٹولین، ہپولیٹیس اور یوسی بیئس انجیل جلیل کی تمام کتب میں سے چھتیس ہزار ساڑھے پانچوں سے زیادہ اقتباسات[3] کرتے ہیں۔ عدم تحقیق خواجہ صاحب کے دامن علم پر ایک نہایت بدنما دھبہ ہے۔

خواجہ صاحب کے دلائل اور ان کی بطالت

حضرت خواجہ صاحب اپنے اس باطل دعویٰ کے ثبوت میں فرماتے ہیں کہ " انجیلوں کے اور بہت سے فقرے اسی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ یوحنا ۳: ۱۳ ، میں جناب مسیح فرماتے ہیں کہ آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوا اس کے جو آسمان سے اترا ہے۔ ابن آدم بھی جو آسمان میں ہے------۔ شماسی روایات کو سامنے رکھو تو لفظ بلفظ اس آیت کا حل ہوجاتا ہے ۔ سورج آسمان سے ۲۵ دسمبر کو پیدا ہوجاتا ہے ۔ وہی آسمان پر چڑھتا ہے وہی آٹھواں پھر آسمان پر

[3] Kenyon's Textual Criticism of New Testament. P.264

ہے۔ علاوہ اس کے ذیل کی آیات بھی قابلِ غور ہیں۔ یوحنا ۸: ۱۲ ۔ دنیا کا نور میں ہوں ۔ جو میری پیروی کریگا۔ وہ اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائیگا۔ جب تک میں دنیا میں ہوں دنیا کا نور ہوں "صفحہ ۹۴ مگر ہم خواجہ صاحب کی اس دلیل پر حیران ہیں کیا وہ اس قدر بھولے ہیں کہ مستعار اور مستعار منہ میں امتیاز نہیں کرسکتے۔ کہاں مادی سورج اور کہاں استعارہ کے طور پر سیدنا مسیح کا آفتاب صداقت ہونا۔ اگر خواجہ صاحب کی یہ دلیل صحیح ہے تو خواجہ صاحب اس قرآنی آیت سے کیا مطلب اخذ کرینگے جہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورۃ نور آیت ۳۵) کیا یہاں بھی شماسی روایات کا دخل ہے ؟ لیکن ہم آپ پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان آیات شریفہ کا آفتاب پرستی سے کسی طرح کا تعلق نہیں۔ اگر آپ اپنی پہلی پیش کردہ آئت کا مقابلہ استثنا ۳۰: ۱۲ اور امثال ۳۰: ۴ سے کرتے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی ۔ یہاں منجئی عالمین نقودیمس کو جو آفتاب پرست نہیں بلکہ ایک یہودی ربی تھا مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ سوائے حضور کے کوئی شخص آسمان کی باتوں کا حقیقی علم نہیں رکھتا اور لہذا اس حقیقی علم کا اعلان انسان پر نہیں کرسکتا۔ ہم کو یہاں اختصار منظور ہے لہذا ہم اسی پر قناعت کرتے ہیں اور صرف اتنی عرض کرتے ہیں کہ مستعار اور استعار منہ میں تمیز کیا کریں دیکھئے یہی استعارہ متی ۳: ۱۶ میں بھی مذکور ہے آپ کی پیش کردہ دوسری آیت یوحنا ۸: ۱۲ ۔ آپ کی عدم واقفیت کو کامل طور پر ظاہر کرتی ہے۔ یہ کلمات طیبات خداوند عالمین کی زبان معجز بیان سے ایک یہودی عید کے موقعہ پر نکلے تھے عید خیام کی پہلی رات کو یروشلیم کی ہیکل میں فرشی جھاڑ اور فانوس جلائے جاتے تھے اور بڑی روشنی کی جاتی تھی۔ یہ اس آگ

کے ستون کی یادگاری میں کیا جاتا تھا جو مصر کی غلامی سے رہائی دلانے کے وقت قوم اسرائیل کے آگے چلتا تھا (خروج ۱۳ : ۲۱) منجی عالمین نے یہ کلمات اس وقت فرمائے اور کہا کہ دنیا کا نور میں ہوں جو سب کے آگے آگے چلتا ہوں جو میرے پیچھے چلیگا وہ جہالت اور ضلالت کے اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائیگا۔ جو آسمانی راہ میں اس کا ہادی ہوگا۔

علاوہ ازیں اہلِ یہود کی روایت کے مطابق مسیح موعود کا ایک نام نور تھا۔ اور جب خداوند عالمین نے اپنے یہودی سامعین سے یہ فرمایا کہ میں دنیا کا نور ہوں تو یہودی سمجھے کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس آفتاب پرستی اور شماسی روایات کا یہاں نام ونشان بھی نہیں۔ خواجہ صاحب ! آپ نے کبھی قرآن مجید یہ آیت پڑھی ہے يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورۃ الصف ۸)یعنی یہ لوگ اللہ کے نور کو منہ سے پھونکیں مار کر بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرتا ہے خواہ کافر ناپسند ہی کریں۔

یونانی اثر کی تاریخ

جناب خواجہ صاحب تو ضرور اس امر سے واقف ہونگے لیکن ہم ناواقف ناظرین کے لئے مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ مسیحیت پر یونانی خیالات اور یونانی زندگی کا اثر ۱۳۰ ء کے قریب شروع ہوتا ہے۔اس زمانہ کے قریب یونانیوں کے مذہبی فلسفہ نے دخل پانا شروع کیا۔ جرمن نقاد ہارنیک ہم کو بتاتا ہے کہ " ان دنوں میں اس فلسفہ نے یہ کوشش کی کہ مسیحیت کے ساتھ اندرونی تعلق پیدا کرے لیکن ہم صرف یونانی فلسفہ کی ہی بات کرتے ہیں۔اس وقت یونانی قصص وروایات یونانی طریقہ عبادت وغیرہ کا نشان تک بھی ہم کو مسیحیت میں نہیں ملتا۔ کلیسیا نے صرف یونانی فلسفہ کا جو سقراط کے زمانہ سے چلا آتا تھا نہایت احتیاط کے ساتھ استعمال کیا۔ ایک صدی یا اس کے بعد ۲۲۰ء اور ۲۳۰ء کے قریب جا کر یونانی مذاہب اسرار اور یونانی تہذیب نے کلیسیا کو متاثر کیا لیکن ان کے قصص اور روایات اور شرک اور بُت پرستی نے اس وقت بھی ہر گز دخل نہ پایا"۔ اب[4] ناظرین خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ اگر یونانی خیالات اور فلسفہ نے ۱۳۰ ء سے پہلے مسیحیت پر کسی قسم کا اثر نہیں کیا اور نہ صرف اناجیل بلکہ انجیل کی تمام کتب پہلی صدی مسیحی میں لکھی جاچکی تھیں تو خواجہ صاحب کے دعویٰ میں (جو اُن کی علمی بے بضاعتی کا ثبوت ہے) کہاں تک صداقت ہے کہ " آج یہ امر مسلم شدہ ہے کہ انجیلیں بہت بعد کے وقت لکھی گئیں جب معلمانِ مسیحیت شماسی روایات اورپیگن ازم کی دوسری روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں دخل کررہے تھے"۔

انجیل یونانی اثر سے محفوظ۔ ہم اتمام حُجت کی خاطر خواجہ صاحب پر یہ ظاہر کردینا چاہتے ہیں کہ نہ صرف یہ غلط ہے کہ انجیلیں بہت بعد کے وقت لکھی گئیں بلکہ یہ بھی غلط ہے کہ انجیلوں کے تحریر ہونے کے وقت شماسی روایات اور پیگن ازم کی دوسری روایات کو لگاتار مذہب میں داخل کیا جاتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اناجیل میں یونانی اور رومی مشرکانہ مذاہب کے عناصر ہم کو ملتے ۔ لہذا خواجہ صاحب کا دعویٰ باطل ٹھہرا جرمن نقاد ڈاکٹر ہارنیک جیسا مسلم الثبوت استاد کہتا ہے " انجیلیں ایسی تحریرات نہیں جن پر یونانیت کی

[4] Harnack, what is Christianity? Lecture XI.

روح کا اثر ہو۔ حقیقتہً وہ مسیحیت کے ابتدائی زمانہ یعنی یہودی زمانہ کی ہیں جو نہایت ہی قلیل زمانہ تھا۔ سب باتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یونانی زبان جس میں اناجیل لکھی گئی ہیں ان تحریرات پر ایک شفاف پردے کی طرح ہے اور بغیر کسی کوشش کے ان کی عبارت عبرانی یا ارامی زبان میں ترجمہ ہوسکتی ہے یہ اظہر من الشمس ہے کہ جو باتیں ان میں محفوظ ہیں وہ ابتدا سے ہیں اور اصل ہیں[5] " ۔ پھر کہتا ہے " مسیح کی زندگی کی تصویر اور اس کے کلمات کو یونانیت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں[6] اور یہ بڑی حیرانی کی بات ہے۔ کیونکہ گلیل کا صوبہ یونانیوں سے بھرا پڑا تھا اور اس کے بہت سے شہروں میں یونانی زبان رائج تھی اور وہاں یونانی حکیم اور استاد بھی تھے اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ جنابِ مسیح ان کی زبان سے بالکل نہ آشنا ہو۔ لیکن وہ ان سے کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ اس کو نہ افلاطون کے خیالات اور نہ یونانی فلسفہ سے کسی قسم کا مس[7] تھا "۔ گو خداوند یونانی زبان سے بالکل آشنا نہ تھے (متی ۲۲: ۲۰) تاہم جیسا فیرویدر کہتا ہے ۔ " مسیح یونانی نہیں بولتے تھے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ وہ ارامی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے جو اس زمانہ میں کنعان کی زبان تھی[8] " یہی مصنف کہتا ہے کہ " یہ بات یقینی ہے کہ مسیح کی تعلیم اور یونانیوں میں کسی قسم کا تعلق نہیں[9] ہے۔

---

[5] Ibid. Lecture II
[6] Cf.Montefiore, Synoptic Gospels. Vol.1.
[7] Harnack, What is Christianity. Lecture II
[8] Fairweather, Jesus and the Greeks.p.271.
[9] Ibid.p.283

شماسی روایات اور انجیل کی صحت

ناظرین۔ حضرت خواجہ وکیل صاحب کے بیانات میں تضاد ملاحظہ فرمائیں ایک طرف تو آپ فرماتے ہیں کہ " انجیلیں بہت بعد وقت میں لکھی گئیں ۔ جب اس وقت کے معلمانِ مسیحیت اپنے مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے شماسی روایات اور پیگن ازم کی دوسری روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں داخل کررہے تھے " صفحہ ۹۳ لیکن اس سے چند صفحے پہلے آپ نے لکھا تھا کہ " سورج پرستی کی روایات اور عقائد " ۔ " نہ مسیح نے اس کے بعد تین صدیوں میں سکھائے گئے بلکہ چوتھی صدی میں جب مسیحیت اور شمس پرستی کا تصادم ہوا عیسائی مذہب میں آداخل " ہوئے صفحہ ۸۴ پھر آپ فرماتے ہیں کہ " مسیح کی تعلیم کا جو نقشہ قرآن شریف پیش کرتا ہے اناجیل اربعہ بھی قریب قریب جس کی مصداق ہیں وہ تو اسلام کی ایک شکل ہے " صفحہ ۱۴ پھر فرماتے ہیں کہ "قرآن اس واسطے آیا کیونکہ عیسائی " کتاب اللہ کو محرف کرچکے تھے " ۔ صفحہ ۵ ۔

ع اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے ۔

اس الجھی ہوئی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب نہیں جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں ۔ اب صرف دو باتیں ہوسکتی ہیں یا تو اناجیل اربعہ میں کلمۃ اللہ کی تعلیم بجنسہ محفوظ ہے جس کا " نقشہ قرآن شریف " میں بھی ہے اور یا اناجیل اربعہ " محرف " ہیں اور ان میں " شماسی روایات او رپیگن ازم کی دوسری روایات " کو دخل ہے۔ اور قرآنی نقشہ میں بھی " شماسی روایات " اور سورج پرستی کی روایات وعقائد " موجود ہیں۔ شق اول میں اناجیل اربعہ غیر محرف ثابت ہوئیں اور آپ کے دعوے کہ عیسائی کتاب اللہ کو محرف کرچکے تھے"

اور کہ انجیلیں بہت بعد کے وقت میں لکھی گئیں ۔ جب معلمانِ مسیحیت شماسی روایات اور پیگن ازم کی دوسری روایات کو لگاتار اپنے مذہب میں داخل کررہے تھے" باطل اور غلط ٹھہرے ۔ شق دوم میں آپ نے " شماسی روایات اور سورج پرستی کی روایات وعقائد کا وجود قرآن میں تسلیم کرلیا اور دوسروں کا شگون بگاڑنے کے لئے اپنی ناک خود ہی کاٹ ڈالی ۔

وہ بھی ہوگا کوئی امید برآئی جس کی اپنا مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلا

فصل دوم

لوگوس اور مسیح کلمۃ اللہ

(۱) خواجہ صاحب کا دعویٰ

خواجہ کمال الدین صاحب فرماتے ہیں ۔" فلسفہ کلام کا ماخذ لفظاً لفظاً حتی کہ پولوسی یا کلیسی اصطلاحات کا سرچشمہ وہ فلسفہ مانا گیا ہے جو مسیحی ابتدائی صدیوں میں بمقام سکندریہ دائروسائر تھا۔ جس کا بانی افلاطون تھا"۔ صفحہ ۱۱۱ ۔ پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ " صاف صاف الفاظ میں کلام کے متعلق حکیم موصوف (فائلو) نے وہی عقائد اور وہی باتیں بیان کی ہیں جو مسیحی کلیسیا کی روح رواں ہیں " صفحہ ۱۱۵ ۔ اس فصل میں انشاء اللہ ہم ثابت کرینگے کہ خواجہ صاحب کے جملہ دعاوی لفظاً لفظاً باطل ہیں اور حق کے سراسر خلاف ہیں۔

مقدس یوحنا کی انجیل کی پہلی تین آیات کو تحریر کرکے خواجہ صاحب فرماتے ہیں " ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ مسیح کی ذات دراصل خدا ہی ہے۔ جس کی پہلی شکل وہ کلام ہے جس کا ان آیات میں حوالہ دیا گیا ہے یعنی مسیح بشکل کلام خدا میں سے نکلا۔۔۔۔اس حقیقت کو ایک خاص انکشاف ربانی تسلیم کیا گیا ہے۔ جس کا الہام یوحنا رسول کو ہوا۔ حسب تعلیم کلیسیا یوحنا کی اس تحریر سے پہلے دنیا کے علم میں یہ صداقت موجود نہیں تھی۔ یہ بات یہاں تک تو صحیح ہے کہ اس امر کا پتہ عہد نامہ قدیم کے کسی صحیفہ سے نہیں چلتا"۔ صفحہ ۱۰۷ ان چند سطور میں خواجہ صاحب نے مسیحیت اوراس کی کتب سے حیرت انگیز لاعلمی ظاہر کی ہے۔ کیا خواجہ صاحب کسی مستند مسیحی کتاب میں سے یہ دکھاسکتے ہیں کہ " کلام کی تعلیم " یوحنا کی اس تحریر سے پہلے دنیا کے علم میں موجود نہیں تھی"۔ خواجہ صاحب غلط فرماتے ہیں کہ" اس امر کا پتہ عہد نامہ قدیم کے کسی صحیفہ سے نہیں چلتا"۔ اس امر کا پتہ عہد نامہ قدیم کے صحف سے چلتا ہے۔

لفظ لوگوس کی تاریخ

لفظ " لوگوس" یونانی فلسفہ کی اصطلاح ہے۔جس سے یونانی حکما کا مفہوم " دانش" تھا۔ قدیم زمانہ سے یونانی حکماء نے دانش کے اصول کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی تھی کہ خدا اور دنیا کاآپس میں تعلق کیسے قائم ہوا۔ بعد ازاں لفظ " لوگوس " اس اصول کے لئے استعمال ہوا جو کائنات میں ظہور پذیر ہے ۔ افلاطون اس اصول کے لئے عموماً لفظ " ناؤس " (بمعنی ادراک) استعمال کرتا ہے۔لیکن کبھی کبھی وہ لفظ " لوگوس " اس الہیٰ طاقت کے لئے استعمال کرتا ہے جس سے دنیا وجود میں آئی ۔ لیکن درحقیقت ستوئیقی حکماء نے لوگوس کے تصور کو اپنے فلسفہ کا بنیادی پتھر بنادیا۔ اوراس کو کائنات کا عقلیہ اصول قرار دیا۔ بالاآخر سکندریہ کے یہودی حکما نے افلاطونی اور ستوئیقی خیالات کو تطبیق دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عہدِ عتیق میں اصلی اور حقانی

حکمت ہے ۔ فائلو نے جوایک یہودی حکیم تھا اس لفظ " لوگوس " کو اختیار کیا کیونکہ یہ لفظ ان دنوں میں یہودی اور یونانی حکمت اور فلسفہ میں مروج تھا۔ اور اس لفظ سے اس حکیم کا مفہوم یہ ظاہر کرنا تھا کہ الہیٰ طاقتوں اور خیالات کا مجموعہ کائنات میں ظہور پذیر ہے۔فائلو کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا محض ایک تصور ہے جو صفات سے معرا ہے۔ لیکن اس سے " لوگوس " (یادانش" صادر ہوا ۔ جو پہلے الہیٰ عقل میں تصورات کی حیثیت میں موجود تھا اور بعد ازاں اس دانش نے کائنات کو بنایا۔ جس میں یہ دانش کا اصول سکونت پذیر ہے پس لوگوس یا اصول دانش مادے سے دنیا کو بنانیوالا ہے اوراس اصول کے ذریعہ خدا کا ہم کو علم ہوسکتا ہے۔ یہ اصول ازل سے خدا میں تھا اور کائنات میں کام کرتا ہے اور خاص طور پر عبرانی انبیاء اور صحفِ مقدسہ میں اس دانش کے اصول کا مکاشفہ ہوا ہے۔

فائلو اور یوحنا کے مفہوم میں اختلافات

یہ ہے کہ مختصر تاریخ لوگوس یا اصول دانش کی۔ اور اب خواجہ صاحب ہم کو یقین دلاتے ہیں کہ " صاف صاف الفاظ میں کلام کے متعلق حکیم موصوف (فائلو) نے وہی عقائد اور وہی باتیں بیان کی ہیں جو مسیحی کلیسیا کی روح رواں ہیں"۔ صفحہ ۱۱۵ ۔ اب کون شخص ہے جو متذکرہ بالا عقیدے میں مسیحیت کے عقائد کو پہچان سکتا ہو۔ حق تو یہ ہے کہ مقدس یوحنا کی تعلیم دربارہ لوگوس (یا کلام) اور فائلو کی تعلیم دربارہ لوگوس (یا دانش) میں کچھ تعلق نہیں۔ہاں یونانی لفظ " لوگوس " دونوں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن دونوں کے ذہنوں میں اس لفظ کا مفہوم مختلف ہے۔ فائلو کی مراد اس لفظ سے "دانش" ہے۔لیکن مقدس یوحنا کا مفہوم کلمہ ہے۔ عہد جدید کی کتب چھان مارو۔ ایک ایک آیت کی تلاش کرلو۔ تم کو کہیں لوگوس کا مفہوم " دانش " نہیں ملیگا۔ فائلو کے فلسفہ کا مرکزی نکتہ الہیٰ عقل کا فلسفیانہ تصور ہے۔ لیکن مقدس یوحنا کی تعلیم کا مرکزی نکتہ الہیٰ کلمہ کا مذہبی تصور ہے اس کی انجیل کے دیباچہ میں خلقت اور تجسم اور نجات کاذکرہے جو زندہ خدا کی طرف سے ہے جو اس نے اپنے ابن کلمہ کےذریعہ کی ہے ۔ فائلو کا تصور ہر وقت دانش کے اصول پر ہے جس کو وہ خدا اور کائنات میں درمیانی بناتا ہے ۔مقدس یوحنا کا خیال ہر وقت کلام پر ہے جو مجسم ہوا یہ کلام خدا کی مرضی اور طاقت کا مظہر ہے اور خدا کی ذات کا ظہور ہے اور رسول کا زور اس زندگی پر ہے جو کلام میں تھی۔ تم کو اس نام کے ذریعہ زندگی ملی "۔ فلسفیانہ تصورات کا یہاں نام تک نہیں۔ دانش کے اصول کا یہاں خیال تک نہیں ۔ یہاں کلمۃ اللہ دنیا کا منجی اور خدا کا مظہر ہو کر ہم کو دکھائی دیتا ہے۔ کلام فائلو کے فلسفیانہ رنگ میں نہیں بلکہ مذہبی رنگ میں دنیا کے منجی کی حیثیت میں ہم کو ملتا ہے "۔ اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا۔۔ جتنوں نے اسے قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا"۔

خواجہ صاحب کو یہ امر طوعاً و کرہاً ماننا ہی پڑا چنانچہ آپ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں "۔ انجیل یوحنا میں جس یونانی لفظ کا ترجمہ لفظ کلام کیا گیا ہے وہ لوگوس ہے اس کے معنی صرف کلام ہی نہیں۔۔۔ میں نے حکیم فائلو کے ترجمہ میں اگر لفظ کلام استعمال کیاہے تو صرف انجیلی ترجمہ کی رعایت سے کیا ہے۔ ورنہ حکیم موصوف کی تصنیف میں لفظ لوگوس ہی آیا ہے۔ لفظ لوگوس سے ان کی مراد عقل یا ارادہ ہے" صفحہ ۱۱۸ ۔ اچھا صاحب اگر یوحنا کا مفہوم اور" حکیم

موصوف " کا مفہوم جدا جدا ہیں اور ایک کا مطلب لفظ لوگوس سے کلمہ ہے اور دوسرے کا " عقل یا راداہ" ہے توپھر آپ کے اس دعویٰ کا کیا حشر ہوا کہ " صاف صاف الفاظ میں " کلام" کے متعلق حکیم موصوف (فائلو) نے وہی عقائد اور وہی باتیں بیان کی ہیں جو مسیحی کلیسیا کی روح رواں ہیں " صفحہ ۱۱۵ ۔ "کلام " کے متعلق فائلو کوئی عقائد نہیں بتاتا چہ جائیکہ وہ عقائد " جو مسیحی کلیسیا کی روح رواں ہیں "۔

دوم۔ فائلو اگرچہ یہودی تھا لیکن اس کے خیالات افلاطونی اور ستویقی فلسفہ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔اس کی " کلمہ " کی تعلیم کا بنیادی پتھر یہ یہودی خیال ہے کہ خدا تمام جہان سے الگ آسمان پر رہتا ہے۔ اس واجب الوجود کی ذات اورجوہر کاضعیف العقل انسان کو کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ وہ صفات سے معرا ہے۔ اورہم کوصرف اس کے وجود کی ہستی ہی کاعلم ہوسکتا ہے " کلمہ " (لوگوس) خدا کی دانش ہے ۔ اوراس طاقت کے وسیلہ ہی سے قادر مطلق کا تعلق ہماری دنیا سے ہوسکتا ہے۔ایک طرف تو لوگوس دنیا میں موجود ہے اوراس کے وجود کا اندرونی اصول ہے۔ اور دوسری طرف وہ ان تمام طاقتوں کا مجموعہ ہے جن سے دنیا خلق ہوئی ۔ اوروہ خدا تعالیٰ کی الہیٰ ذات میں رہتا ہے ۔ وہ دنیا کو خلق کرنے اوراس کاانتظام کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور الہیٰ تصور کا (جس کا وہ مظہر ہے) دنیا اورمافیہا میں ترجمان ہے۔ وہ خدا اور دنیا کو (بہ حیثیت ایک درمیانی کے) جدا رکھتا ہے۔لیکن جس شخص نے انجیل چہارم کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے وہ جانتا ہے کہ ایسے تصورات اس انجیل سے کس قدر بعید ہیں۔

سوم۔ فائلو کافلسفہ درحقیقت دوئی کا فلسفہ ہے وہ مادے کو ناپاک تصور کرتا ہے اوراس کا مقصد یہ ہے کہ خدا کومادے سے جدا کرے ۔ پس وہ دانش کے اصول کو درمیانی قرار دیتا ہے تاکہ خدائے قدوس کو ناپاک مادے سے بلند وبالا ثابت کرے ۔لیکن مقدس یوحنا کے نزدیک مادہ کوئی ناپاک شے نہیں۔ بلکہ خدا کاظہور کائنات میں دکھائی دیتا ہے۔ کلمۃ اللہ درمیانی تو ہے لیکن اس لئے نہیں کہ خدایِ قدوس کو ناپاک مادے سے جدا کرے بلکہ اس لئے کہ خدا اور انسان کا تعلق اور رشتہ بطور احسن قائم ہوجائے ۔ کلام نےمادی جسم کواختیار کیا اور "کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کرہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" ۔ فائلو مادے کو ناپاک قرار دے کراس کو خدا سے اورالہیٰ ذات سے دور رکھتا ہے۔لیکن مقدس یوحنا تجسم میں خدا کا جلال دیکھتا ہے " اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا"۔ اس کی زندگی فضل اور سچائی کا مظہر تھی"۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کودیکھا"۔ خداخودمادی جسم کواختیار کرکےمادے کے ذریعے اپنا جلال ظاہر کرتاہے۔ لیکن خواجہ صاحب ہیں جو کھے جاتے ہیں کہ " فائلونے وہی عقائد اوروہی باتیں بیان کی ہیں جو مسیحی کلیسیا کی روح رواں ہیں"۔

چہارم ۔ فائلو لوگوس کو مسیح موعود کے ساتھ کبھی متعلق نہیں کرتا۔ لیکن مقدس یوحنا صاف طورپر بیان کرتا ہے کہ کلمۃ اللہ " وہی مسیح ہے جو فی الحقیقت دنیا کامنجی ہے "۔ اس نےایک تواریخی واقعہ کا فلسفیانہ لباس پہنادیا اور ایک شخص کوجوزمان ومکان کی قیود میں رہ چکا تھا خلقت اورمذہبی فلسفہ کا بنیادی پتھر قرار دیدیا۔

پنجم۔ فائلو کے فلسفہ میں خدا اور دنیا میں جو علیحدگی قائم کی گئی ہے وہ فلسفیانہ ہے۔ لیکن مقدس یوحنا کے لئے یہ علیحدگی ایک مذہبی اوراخلاقی پہلو رکھتی ہے۔ جو دنیا کا ہے وہ حق کی پیروی کرتا اور خدا کی تکفیر کرتا ہے شیطان کو "دنیا کا سردار " قرار دیا گیا ہے جس میں خدا کا حصہ نہیں۔مقدس یوحنا لفظ"دنیا" کو ایک خاص مذہبی اور اخلاقی مفہوم دیتا ہے۔ دنیاوی شخص وہ ہے جو شیطان کا پیرو ہے۔ فائلو مادے کو خدا سے جدا کرتا ہے لیکن وہ فلسفیانہ رنگ میں مذہبی اور اخلاقی مفہوم کا اس کے فلسفہ کےساتھ تعلق نہیں۔ مقدس یوحنا اپنے نجات کے نظریہ کو بھی علیحدگی پر قائم کرتا ہے۔ دنیا کے فرزندوں میں سے "جنہوں نے اسے قبول کیا ان کو اس نے خدا کے فرزند ہونے کا حق بخشا"۔ یہی اشخاص ہیں جو مسیح کو اپنا نجات دہندہ مانتے ہیں۔

ششم۔ فائلو کے لئے لوگوس دانش کا اصول ہے جو کائنات میں موجود ہے لیکن مقدس یوحنا کے لئے لوگوس کلمۃ اللہ ہے جو ایک بے حس وحرکت اصول نہیں بلکہ ایک شخص تھا"۔ کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا"۔ کلمۃ اللہ ایک شخص تھا جس کی زندگی کی تاثیر دیگر شخصوں کی زندگیوں پر ہوئی یہ کلمہ جس نے تجسم اختیار کیا اور جس کی زندگی کا اثر دوسروں پر ہوا ابتدا ہی سے شخصیت کی حالت میں موجود تھا۔فائلو کے لئے "لوگوس " محض ایک اصول تھا لیکن" کلام" بطور ایک شخص کے " ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا"۔

ہفتم۔ فائلو کا اصلی مقصد یہ ظاہر کرنا ہے ۔ کہ کائنات کیسے ظہور میں آئی اور وہ اس غرض سے لوگوس کے اصول کو لے کر ہمیں بتاتا ہے کہ یہ دانش کا اصول کائنات میں موجود ہے اوراس اصول کے ذریعہ کائنات وجود میں آئی ۔

لیکن مقدس یوحنا کا اصلی مقصد یہ بتانا نہیں کہ کائنات کیسے ظہور میں آئی ۔اور وہ اس غرض سے لوگوس کے اصول کو لے کر ہمیں بتاتا ہے کہ یہ دانش کا اصول کائنات میں موجود ہے اورا س اصول کے ذریعہ کائنات وجود میں آئی۔ لیکن مقدس یوحنا کا اصلی مقصد یہ بتانا نہیں کہ کائنات کیسے ظہور میں آئی۔ اگرچہ وہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ساری چیزیں کلام کے وسیلے پیدا ہوئیں۔ یوحنا کے لئے کائنات کا وجود دریافت طلب امر نہیں۔ اس کا سارا زور اس بات پر ہے۔ کہ کلام کے ذریعہ لوگوں میں وہ زندگی آئی جو "آدمیوں کا نور تھا"۔ اس کا مقصد روحانی ہے اس کی انجیل کی تمہید کا مرکزی خیال اس روحانی تخلیق مکاشفہ اور نجات کا ہے جس کو " زندہ خدا " نے سر انجام دیا تھا۔ اس کی غرض کا ئنات کے وجود میں آنے کا فلسفیانہ نظریہ بتانا نہیں۔ اس کا مقصد عملی اور روحانی ہے۔ انجیل جلیل میں فائلو کے فلسفیانہ نظریہ کا وجود تک نہیں ملتا۔

ہشتم۔ فائلو کے فلسفہ کے مطابق ہم کو خدا کا علم صرف وجد کی حالت میں ہی ہوسکتا ہے۔ جب ہم پر وجد کی حالت طاری ہوتی ہے تو دانش کے اصول سے کامل طور پر خدا کا علم ہم کو حاصل ہوتا ہے ۔ برعکس اس کے مقدس یوحنا کی تعلیم یہ ہے کہ جس نے کلمۃ اللہ کو دیکھا اس نے باپ کو دیکھا ۔ ہم کو خدا کا مکاشفہ کامل اور بہترین طور پر صرف کلمۃ اللہ ہی کے ذریعہ نصیب ہوا ہے۔

نہم۔ آخر میں ایک اور لفظ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اور وہ لفظ " فارقلیط" ہے۔ یہ لفظ فائلو استعمال کرتا ہے اورانجیل چہارم میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ لفظ فارقلیط کو مقدس یوحنا روح القدس کے لئے استعمال کرتا ہے۔ پھر جہاں فائلو دنیا کو خدا کا بیٹا قرار دیتا ہے اوراس کو سردار کاہن کے مقدس جاموں سے تشبیہ دیتا ہے وہاں مقدس یوحنا دنیا کا خدا کا

دشمن قرار دیتا ہے ۔ بخوفِ طوالت میں نے اختصار سے کام لیا ہے اور صرف بنیادی فرق فائلو کے فلسفہ اور یوحنا رسول کی تعلیم میں تحریر کئے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دونوں کے نقطہ خیال اور تعلیم میں بعد المشرقین ہے فیرویدر کہتا ہے[10] کہ " حق تو یہ ہے کہ فائلو کے سے خیالات کے شخص کے لئے مسیحیت ایک سربمہر شے ہے جس کو وہ سمجھ نہیں سکتا" اور ڈاکٹر ہارنیک کہتا[11] کہتا ہے کہ" انجیل چہارم میں جو تصور خدا اور دنیا کے رشتہ کی نسبت پایا جاتا ہے وہ فائلو میں نہیں ملتا۔ لوگوس کا عقیدہ کسی طرح سے بھی فائلو کا نہیں ہوسکتا" یہی جرمن نقاد ڈاکٹر زوکلر کا خیال ہے۔ وہ کہتا[12] ہے کہ " فائلو کا لوگوس دنیا کی ایک فطرتی طاقت کا نام ہے جو یونانی فلسفہ سے اخذ کیا گیا ہے اور جس میں شخصیت نہیں ہے لیکن یوحنا لوگوس ایک اخلاقی ہستی اور شخصیت کا بلند ترین نمونہ ہے اور عہدعتیق کے مسیح موعود کے خیالات کے ساتھ وابستہ ہے" پس خواجہ صاحب کا دعویٰ باطل ثابت ہوگیا۔

ثابت ہوگیا کہ خواجہ صاحب موصوف کا یہ مقولہ غلط ٹھہرا کہ" صاف صاف الفاظ میں کلام کے متعلق حکیم موصوف (فائلو) نے وہی عقائد اور وہی باتیں بیان کی ہیں جو مسیحی کلیسیا کی روح رواں ہیں"۔

[10] Fairweather, Jesus and the Greeks. Page173
[11] Harnack , History of Dogma , Eng.Tr.vol1.page114
[12] Article Philo in the Scroff-Hertzog Encyclopedia.

(۲)

فائلو اور یوحنا کے مشترکہ الفاظ

مشترکہ الفاظ اور مشترکہ عقائد لازم وملزوم نہیں

"عقائد" کی نسبت توہم نے ظاہر کردیا کہ فائلو اور یوحنا رسول میں بعد المشرقین ہے۔ اب وہ صاف صاف الفاظ" کون سے ہیں جن سے خواجہ صاحب اپنے اس غلط نتیجہ پر پہنچے۔آپ نے اپنی کتاب میں ان الفاظ کو تحریر کیا ہے جس کی بنا پر آپ خیال فرماتے ہیں کہ فائلو کا فلسفہ یوحنا رسول کے خیالات کا اور" کلیسی اصطلاحات کا سرچشمہ "ہے۔آپ نے تقریباً تیس صاف صاف الفاظ تحریر کئے ہیں۔ جن سے آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ آپ کی کتاب پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے کبھی فائلو کی تصنیفات کا خود ملاحظہ نہیں فرمایا ۔ آپ نے کسی دوسری کتاب کو پڑھ کر یہ الفاظ اس میں اخذ کئے ہیں۔ اگر آپ کو فائلو کے فلسفہ سے کچھ واقفیت ہوتی یا اس کی تصنیفات آپ کی نگاہ سے گذری ہوتیں توآپ اس طریقہ استدلال کو ہرگز کام میں نہ لاتے ۔ فائلو کی متعدد تصانیف میں سے تیس ایک الفاظ نکالنا جو بظاہر انجیل چہارم سےملتے جلتے ہوں کوئی مشکل امر نہیں ۔ آپ کوئی دومصنف لے لیں۔ جنہوں نے بظاہر مشابہ یاواحد مضمون پر تحریر کیا ہو۔ آپ دیکھینگے کہ تیس نہیں بلکہ بیسیوں الفاظ ایک ہی ملیں گے ۔ لیکن اس سے کوئی شخص یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ ایک مصنف دوسرے کا " سرچشمہ اور " ماخذ" ہےفلاسفہ کے الفاظ شعرا کے اشعار معمولی روزمرہ کی نظیریں ہیں۔ لیکن کوئی شخص شعرا کو اورحکما پر سرقہ کا الزام

نہیں لگاتا۔ اسی طرح اگرفائلو کی متعدد تصانیف اور انجیل چہارم میں چند الفاظ واحد ہیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فائلو یوحنا رسول کا سرچشمہ ہے۔ خاص کر اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ دونوں مصنف لفظ " لوگوس " کا استعمال کرتے ہیں اوراپنے اپنے پیرایہ میں اپنے اپنے خیالات کے مطابق (ایک فلسفیانہ رنگ میں دوسرا مذہبی رنگ میں) اپنے خیالات کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً جب فائلو اصول دانش کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ " ازلی " ہے"۔ تمام اشیاء کو یکجا کرنے والا " ہے۔ برائی سے مبرا ہے "۔ خوشی اور سلامتی "عطا کرتا ہے۔ " رستہ کا رہنما" ۔" چوپان" ، " روح کا پرورش کنندہ" ہے نیک اعمال کا چشمہ" ہے " صحت بخش " ہے۔اور " سردار کاہن " ہے۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یوحنا رسول اس کا دست نگر ہے۔ اگر ناظرین الفاظ مندرجہ بالا (جن میں سے بعض کا ذکر خواجہ صاحب نے نہیں کیا) اوردیگر الفاظ (جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے) دونوں مصنفین کے نقطہ خیال سے پڑھیں تو ان کو معلوم ہوجائیگا کہ الفاظ اگرچہ وہی ہیں۔ لیکن فائلو کے فلسفیانہ نقطہ نظر سے ان کے معنی ایک ہونگے اور یوحنا رسول کی تعلیم کے مذہبی نقطہ نظر سے ان کے معنی بالکل اور ہونگے۔ انشاء اللہ آگے چل کر ہم بتائینگے کہ الفاظ بظاہر کیوں ایک ہیں۔ اس وقت میرا مطلب یہ بتانا ہے کہ خواجہ صاحب کا طریق استدلال غلط ہے۔

واجب تو یہ تھا کہ جہاں خواجہ صاحب نے ہمیں وہ " صاف صاف الفاظ" بتلائے جو فائلو اور یوحنا رسول دونوں میں مشترکہ ہیں وہ ہم کو وہ الفاظ بھی بتاتے جو فائلو اس کثرت سے استعمال کرتا ہے کہ وہ الفاظ اس کو نہایت عزیز ہیں اور جو مقدس یوحنا کبھی استعمال نہیں کرتا یہ الفاظ ہم کو کثرت سے ملتے ہیں لیکن انجیل چہارم میں ان کا نام و نشان تک نہیں۔ پروفیسر ڈرمنڈ جیسا سخن شناس نقاد ہم کو بتاتا ہے۔ کہ "فائلو کے خاص الفاظ اور اصطلاحات جو وہ نہ صرف خدا کی نسبت بلکہ لوگوں کی نسبت استعمال کرتا ہے ۔ہم کو انجیل چہارم میں کلیتہً نہیں ملتے" ڈاکٹر سینڈے بھی یہی کہتا ہے کہ " جب ہم دونوں پر تفصیل وار نظر کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ فائلو کی تعلیم کے خاص الفاظ ہم کو انجیل چہارم میں نہیں ملتے ۔۔۔۔۔ حالانکہ ان الفاظ میں سے بعض ایسے ہیں جو مسیحی کتب میں بہت جلدی دخل پاگئے تھے لیکن وہ انجیل چہارم میں ہم کو نہیں ملتے[13]، کیا اب بھی خواجہ صاحب یہی کہینگے کہ " صاف صاف الفاظ میں کلام کے متعلق حکیم موصوف (فائلو) نے وہی عقائد اور وہی باتیں بیان کی ہیں جو مسیحی کلیسیا کے روح رواں ہیں"۔آپ کے الفاظ میں ہی آپ کو مخاطب کرکے " میں آپ سے راستی ، صداقت ، امانت ، دیانت، بے تعصبی، اورسب کے بعد خدای قدوس کے نام پر اپیل کرتاہوں کہ وہ کونسا عقیدہ یا کونسا فلسفہ یا کونسی الہیات یا کونسی اصطلاح پولوس یا اسکے ہمنواؤں نے یا بہ حیثیت مجموعی کلیسیا نے تعلیم کی ہے" ۔جو فائلو میں موجود ہے"۔

خواجہ صاحب کا یہ قول غلط ہے کہ " یہ بات یہاں تک تو صحیح ہے کہ اس امر کا (کلام کی تعلیم کا) پتہ عہد نامہ قدیم کے کسی صحیفہ سے نہیں چلتا"۔ صفحہ ۱۰۷ ۔ذیل کی چند آیات اس بات کی شاہد ہیں:

۱ ۔ خداوند کے کلام سے آسمان بنے اوران کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے (زبور ۳۳: ۶)۔

۲۔ جونہی تیرا کلام نکلافوراً کلام (خلق)ہوگیا (۲سدرس ۶ : ۴۳)

[13] Sunday, Criticism of the Fourth Gospel.pp.191-92

۳- اس نے اپنا کلام بھیجا اور انہیں چنگا کیا- اور اس نے انہیں ان کے گڑھوں سے رہائی بخشی (زبور ۱۰۷ : ۲۰)-

۴- وہ اپنا حکم زمین پر بھیجتا ہے اور اس کا کلام نہایت تیزرو ہے- زبور ۱۴۷ : ۱۵-

۵- وہ اپنا کلام بھیجتا ہے اور انہیں گلادیتا ہے- وہ اپنی ہوا چلا دیتا ہے اور پانی بہ جاتے ہیں -زبور ۱۴۷ : ۱۸-

۶ -گھاس مرجھاتی ہے پھول کملاتے ہیں پر ہمارے خداوند کا کلام ابد تک قائم ہے- یسعیاہ ۴۰: ۸-

۷- جس طرح آسمان سے بارش ہوتی اور برف پڑتی ہے اور پھر وہ وہاں نہیں جاتے ---- اسی طرح میرا کلام جو میرے منہ سے نکلتا ہے ہوگا- وہ مجھ پاس بے انجام نہ پھریگا- بلکہ جو کچھ میری خواہش ہوگی وہ اسے پورا کریگا اور اس کام میں جس کے لئے میں نے اسے بھیجا موثر ہوگا- یسعیاہ ۵۵: ۱۰، ۱۱-

۸-اے ہمارے باپ دادوں کے خدا جس نے تمام چیزیں اپنے کلام کے ذریعہ بنائیں- دانش ۹: ۱-

۹ -اے خدا فی الحقیقت تیرے کلام نے جو تمام چیزوں کو صحت عطا کرتا ہے ان کو صحت بخشی (دانش ۱۶ : ۱۲)-

۱۰- تیرا قادر مطلق کلام اپنے شاہی تخت پر سے آسمان سے اترا-- اور اگرچہ اس کے پاؤں زمین پر تھے - لیکن اس کا سر آسمان پر تھا (یعنی کل کائنات میں موجود تھا) دانش ۱۸ : ۱۵ تا ۱۶-

۱۱ -آگ اور اولے اور برف اور بخار اور زور کی آندھی جو اس کے کلام کو بجالاتے ہیں - زبور ۱۴۸ : ۸-

۱۲ -خدا کا کلام یونا بن امتی کو پہنچا (یونا ۱ : ۱)-

بخوف طوالت انہی چند آیات پر اکتفا کرتا ہوں جو میں نے اہلِ یہود کی مسلمہ کتب سے (جس میں سے بعض عہدِ عتیق میں داخل ہیں اور بعض داخل نہیں ہیں نقل کی ہیں- دیگر آیات بہت سی ہیں- جن کا میں نے ذکر نہیں کیا اور جو ہم کو کلام کی تعلیم دیتی ہیں-

اہلِ یہود کی کتب تارگم نے (جو عبادتخانوں کی تفسیری روایات کا مجموعہ ہیں) بالخصوص کلام کی تعلیم کو بہت وسعت اور ترقی دی- ان کتب میں لفظ کلام اکثر خدا کے نام کے ساتھ ملحق ہے اور خدا اپنے کلام کے وسیلے دنیا میں کام کرتا ہے- ان علماء کا خیال تھا کہ خدای پاک کا دنیا اور ناپاک انسان کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوسکتا لہذا ان کو ایک درمیانی کی ضرورت لاحق ہوئی جو خدا اور کائنات میں وسیلہ ہوا اور وہ درمیانی کلام قرار دیا گیا-

پس ثابت ہو گیا کہ کلام کی تعلیم ہمیں عہد عتیق کے صحف اور دیگر مسلمہ یہودی کتب میں ملتی ہے فائلو اور مقدس یوحنا دونوں یہودی تھے-دونوں اپنے مذہب کی کتب اور روایات سے واقف تھے- دونوں نے اپنے اپنے جداگانہ مذاق کے مطابق اس لفظ لوگوس کو لیا اور جداگانہ پیرایہ میں اپنے خیالات کو اس لفظ کے ذریعہ توسیع دی فائلو ایک فلاسفر تھا اور یونانی حکمت سے متاثر ہوچکا تھا اور چونکہ یہودی تھا وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ یہودی کتب میں ہی کامل حکمت موجود ہے یونانی فلسفہ نے لفظ لوگوس اصول دانش کے لئے استعمال کیا تھا جو کائنات میں ظاہر تھا- یہودی کتب عہدِ عتیق کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ میں لفظ کلام کا ترجمہ" لوگوس " کیا گیا تھا پس فائلو نے لفظ لوگوس کو اختیار کرلیا جو

سلیمان کی کتاب میں دانش ہے کوجو کائنات میں ظہور پذیر ہے اس کی متعدد تصنیفات اسی ایک اصول پر مبنی ہیں۔

اب ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ خواجہ صاحب کا یہ قول کس قدر غلط ہے کہ " فلسفہ کا ماخذ ۔۔۔۔۔ وہ فلسفہ مانا گیا ہے جو مسیحی ابتدائی صدیوں میں بمقام سکندریہ دائرو سائر تھا اور جس کا بانی افلاطون تھا"۔ صفحہ ۱۱۱۔ اور کہ " صاف صاف الفاظ میں کلام کے متعلق حکیم موصوف (فائلو) نے وہی عقائد اور وہی باتیں بیان کی ہیں۔ جو مسیحی کلیسیا کی روح رواں ہیں "۔ صفحہ ۱۱۵۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حکیم فائلو اور یوحنا رسول دونوں کے " ماخذ" عہد عتیق اور دیگر کتب یہود ہیں۔ اگر عہد عتیق میں کلام کی اور دانش کی تعلیم نہ ہوتی تو یہودی حکیم فائلو کبھی لفظ لوگوس کا استعمال نہ کرتا۔ کیونکہ اس کے استعمال سے اس کی غرض صرف یہی تھی کہ اپنے معاصرین کو دکھادے کہ حقیقی دانش کا اصول یہودی کتب سماوی میں ہی ہے۔ جو حقیقی فلسفہ سے پُرہیں۔ حکیم فائلو یوحنا رسول کا " ماخذ" نہیں تھا اور نہ ہی اس کا فلسفہ کلام کی تعلیم کا سرچشمہ تھا رسول کا ماخذ کتب یہودہی تھیں۔ جن کا اس نے بخوبی مطالعہ کیا تھا۔ اگرہم " کلام" کے خصائص اوراس کے کام کی طرف نظر کریں جو یوحنا رسول ہم کو بتاتا ہے توہم دیکھینگے کہ ان کا سرچشمہ عہد عتیق ہی ہے۔ مثلاً انجیل چہارم کے دیباچہ کا مقابلہ مندرجہ بالاآیاتِ کتب یہود سے کریں زبور ۳۳: ۶، ۲سدرس ۶: ۴۳ اور زبور ۱۴۷: ۱۵، ۱۸۔ دانش ۹: ۱ سے کلام کی خلقت کا کام ظاہر ہوتا ہے ۔ گنتی ۱۱: ۲۳، ہوسیع ۶: ۵۔ یسعیاہ ۴۰: ۸، ۵۵: ۱۰۔ ۱۱۔دانش ۱۸: ۱۵تا ۱۶ سے کلام کی پروردگاری اورحکومت اوراس کے ذریعہ زندگی ثابت ہوتی ہے۔ اوریہی باتیں یعنی خلقت مکاشفہ ، زندگی پروردگاری دیباچہ کی " روح رواں" ہیں۔ " اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا"۔ لفظ " زندہ خدا " صرف عبرانی محاورہ ہے۔ جو افلاطون اور یونانی فلسفہ میں نہیں ملتا۔ یہ نہ صرف عبرانی محاورہ ہی ہے بلکہ عہد عتیق کی جان ہے اورانجیل چہارم کے دیباچہ کی بنیاد بھی یہی تصور ہے اس دیباچہ میں اس تصور کی توسیع بھی عہد عتیق کے مطابق ہی کی گئی ہے " زندگی " اور " نور" کے تصورات کا مقابلہ زبور ۳۶: ۹ سے کریں۔ " زندگی کا چشمہ تیرے پاس ہے ۔ ہم تیری روشنی میں شامل ہوکے روشنی دیکھینگے"۔ اس کے ساتھ یرمیاہ ۱۲ : ۱۳ کامقابلہ کریں"۔ میرے لوگوں نے ۔۔۔۔ مجھ زندہ پانی کے سوتے کو چھوڑدیا"۔ فائلو کے فلسفہ سے یہ زندگی کا تصور بالکل متضاد ہے لیکن زندگی کا تصور یوحنا رسول کی تعلیم کا " روح رواں" ہے۔ لیکن پھر بھی خواجہ صاحب " حکیم موصوف فائلو" اور" افلاطون" کوہی کلام کا " ماخذ " اور سرچشمہ " بتائے جاتے ہیں ایک اور بات یہاں قابل غور ہے انجیل چہارم کو پڑھنے سے یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا مصنف کوئی فلاسفہ نہ تھا۔ اس کی تصنیفات سے یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ کوئی شاندار عالم تھا یا بحر فلسفہ وحکمت میں غرق تھا۔ انجیل چہارم کو الف سے لے کری تک پڑھ لووہاں فلسفہ اور فلسفیانہ اصطلاحات کا نام تک نہیں ملیگا۔ فائلو کی تصانیف کو پڑھو سوائے فلسفہ کے اور کچھ نہیں ملیگا۔ لیکن پھر بھی ہم کو بتلادیا جاتا ہے کہ " حکیم فائلو اسرائیلی فلسفی " کلام کی انجیلی تعلیم کا اور افلاطون انجیلی اصطلاحات کا " سرچشمہ" ہے۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کردی۔

(۳)

لفظ لوگوس کے استعمال کے اسباب

اب ہم خواجہ صاحب کو ان مشترکہ الفاظ کی اصلی وجہ بتاتے ہیں چونکہ فائلو اور یوحنا رسول دونوں کا ماخذ ایک ہی یعنی اہل یہود کی کتب مقدسہ اور چونکہ دونوں نے ان کتب مقدسہ کا بخوبی مطالعہ کیا ہوا ہے اور عہد عتیق کی کتب پر غور وخوض کرکے اس کی تعلیم میں دونوں نے غوطہ لگایا ہوا ہے لہذا بعض الفاظ وہ کبھی کبھی لوگوس کی نسبت استعمال کرتے ہیں لیکن ان الفاظ پر دونوں مصنف مختلف معنی چسپاں کرتے ہیں۔ایک فلسفیانہ رنگ میں ڈوبا ہے۔ اس کے تمام الفاظ حکیمانہ معنی میں ہم کو سمجھنے ہونگے۔ دوسرا مذہبی رنگ میں رنگا ہے اور اس کے تمام الفاظ اخلاقی اور مذہبی پہلو سے ہم کو سمجھنے ہونگے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ حکیم فائلو لفظ لوگوس کو بمعنی اصول دانش اس واسطے استعمال کرتا ہے تاکہ یونانی فلسفہ اور یہودی خیالات میں تطبیق کرکے یہ ثابت کرے کہ یونانی حکما کا اصول دانش درحقیقت یہودی کتب سماوی کا ہی اصولِ دانش ہے جو تمام کائنات میں ظہور پذیر ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقدس یوحنا نے اس لفظ لوگوس کو کیوں اختیار کیا اور اسکی علت غائی کیا تھی؟

مقدس یوحنا نے جہاں کتب یہود کا بخوبی مطالعہ کیا تھا اور ان میں اس نے غواص ہو کر غوطہ لگایا تھا وہاں اس نے سیدنا مسیح کی آمد، زندگی، موت اور قیامت پر بھی بہت غوروخوض کیا تھا اور اپنے روحانی تجربہ سے معلوم کیا تھا کہ آنخداوند " فی الحقیقت دنیا کا منجی ہے " اس زندگی کے کلام کی بابت جو ابتدا سے تھا اور جسے اس نے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا"۔اب وہ اس کی گواہی دینا چاہتا ہے تاکہ اور بھی اس کے ساتھ شریک ہوں"۔ یہ رسول چاروں طرف نگاہ کرتا ہے تاکہ وہ لوگ اپنے تجربے کے ذریعہ " دنیا کے منجی" کو آس پاس کے لوگوں پر کسی عام فہم لفظ سے ظاہر کرے۔ وہ اس مقصد کے لئے لفظ" لوگوس " کو اختیار کرتا ہے جو اس کے معاصرین خواہ یہودی خواہ یونانی تمام کے تمام جانتے تھے اور اس لفظ کا اطلاق سیدنا مسیح پر کرکے اپنے معاصرین پر سیدنا مسیح کی آمد، حیات، موت اور قیامت کا حقیقی مطلب ظاہر کرتا ہے اس غرض کے لئے وہ عہد عتیق کے لفظ " کلام" کو لے کر اس کی توسیع کرکے آنخداوند پر چسپاں کرتا ہے لفظ" لوگوس" اس زمانہ میں ایک عام فہم لفظ تھا جو ہر لکھا پڑھا شخص یہودی اور یونانی استعمال کرتا تھا۔ خواجہ صاحب کی کتاب کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب کا خیال ہے کہ اس لفظ " لوگوس" کا ٹھیکہ حکیم فائلو نے لے رکھا تھا۔ پس جو شخص لوگوس استعمال کرتا ہے وہ فائلو کا مقروض ہے یہ طرز استدلال ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ چونکہ لفظ"رسول" قرآن میں وارد ہوا ہے اس واسطے جو شخص لفظ" رسول" بولے یا لکھے اس نے قرآن کا ضرور مطالعہ کیا ہے اور بقول جناب " وہی عقائد اور وہی باتیں بیان کی ہیں " ۔ جو قرآن کی " روح رواں" ہیں۔ایسی بودی اور کمزور دلیل کی ہمیں خواجہ صاحب سے توقع نہ تھی۔ کیا خواجہ صاحب نہیں جانتے کہ دورحاضرہ میں ڈراون ۔ سپنسر یا ہیگل کی کتب پڑھے بغیر لوگ مسئلہ ارتقا اور اس کی اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں۔ کارڈینل نیومین (Newman) نے اپنی کتاب (Development of Doctrine) ڈارون کی کتاب (Origin of Species) کی اشاعت سے دس برس پہلے شائع کی تھی اور اس میں ہم کو ارتقائی خیالات ملتے ہیں۔ اس ایک مثال سے یہ ظاہر ہے کہ تصورات اور اصطلاحات

استعمال کی جاسکتی ہیں اوران کا کوئی خاص سرچشمہ یا ماخذ نہیں ہوتا کیونکہ وہ عام طور پر مروج ہوتی ہیں۔خواجہ صاحب کو ہم بتادیتے ہیں کہ لفظ" لوگوس" ایک معمولی عام فہم لفظ تھا۔ جس کو مقدس یوحنا نے ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے وہ اپنے یہودی اور یونانی ہمعصروں سے کہتا ہے " تم جس چیز کی تلاش میں ہو وہ جناب مسیح ہے وہی کلمہ ہے۔ یہودیوں میں لفظ" مسیح" مروج تھا اور ہر یہودی اس مطلب خیز لفظ کے مفہوم کو بخوبی سمجھ سکتا تھا لیکن یونانی لفظ" مسیح " کے حقیقی مفہوم سے بالکل ناواقف تھے اور ان کے لئے یہ لفظ کچھ مطلب نہ رکھتا تھا۔ لہذا مقدس یوحنا نے ایک ایسے لفظ کو اختیار کیا جس کے اندرونی مفہوم سے یہودی اور یونانی دونوں یکساں واقف تھے۔ پس یوحنا رسول کلمہ یا لوگوس کے تصور کے ذریعہ لوگوں پر جناب مسیح کا خدا اور دنیا کے ساتھ حقیقی رشتہ ظاہر کرتا ہے اور سیدنا مسیح کی زندگی اور موت اس کے اقوال اور افعال اور اس کے مکاشفہ کو اس کلمہ یا لوگوس کی تعلیم کے ذریعہ لوگوں کے دلوں پر نقش کرتا ہے۔ کلام کی تعلیم تو پرانی تھی۔ لیکن اس لوگوس کے تصور کا اطلاق سیدنا مسیح پر کنا ایک نئی بات تھی اور صرف اس حقیقت کو ایک " خاص انکشاف ربانی تسلیم کیا گیا ہے۔ جس کا الہام یوحنا رسول کو ہوا" صفحہ ۷ یہ ایک ایسی نئی بات تھی جو افلاطون ، زینو اور فائلو وغیرہ کے وہم وگمان میں بھی کبھی نہ آئی تھی اوراگر کوئی ان فلاسفر کو بتاتا کہ مابعد کے زمانہ میں لفظ " لوگوس" سے یہ مراد لی جائیگی کہ وہ خدا اور دنیا کو یکجا کریگا اوران کے باہمی تضاد اور مخالفت کو مٹا کر دونوں کی رفاقت کا وسیلہ ہوگا تو وہ مارے حیرت اور استعجاب کے چونک پڑتے۔ یوحنا رسول کے زمانہ میں ۔ " لوگوس " کے لفظ کے ذریعہ یونانی اوریہودی اپنے اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کرنے کی کوشش میں لگے تھے۔تاکہ اس لفظ کے ذریعہ ایک حاضر وناظر دانائے مطلق انکشاف الہیٰ کا اظہار کریں یہودی اپنی کتب کی بنیاد پر اس زمانے میں خدا کی ذات اور کلام کا ایسا گہر تعلق دکھاتے تھے جو قریباً یکجائی کے درجہ پر تھا۔ علاوہ ازیں لفظ کلام یہود اور مسیحیوں میں خدا کے مکاشفہ کے لئے مستعمل تھا (یسعیاہ ۲: ۱ ، عموس ۱: ۱ وغیرہ)۔ پس مقدس یوحنا نے لفظ" کلام" کو خدا کے اس کامل مکاشفہ کے لئے استعمال کیا ہے جو سیدنا مسیح میں ہوا اور یوں ابن اللہ کو ذات الہیٰ کا کامل مظہر اور انسانیت کا کمال اور ازلی کلمہ ثابت کیا۔ خواجہ صاحب قرآن مجید میں آپ لوگوں کی نسبت ہی خدا فرماتا ہے کہ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا(۵۳: ۲۸)یعنی وہ لوگ محض ایک ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن کبھی حق سے بے پروا نہیں کرتا۔

(۴)

اصطلاح کلمۃ اور قرآن

اب ہم خواجہ صاحب سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر "فلسفہ" کلام کا ماخذ ۔۔۔۔۔وہ فلسفہ مانا گیا ہے جو مسیحی ابتدائی صدیوں میں بمقام سکندریہ دائروسائر تھا اور جس کا بانی افلاطون تھا" صفحہ ۱۱۱ تو جب قرآن میں جناب مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو کیا قرآن کا ماخذ بھی افلاطون کافلسفہ ہے؟ ممکن ہے کہ آپ اپنے امیر صاحب مولوی محمد علی کی اتباع میں کہیں کہ حضرت مسیح کو قرآن میں کہیں کلمۃ اللہ صاف طورپر بایں الفاظ نہیں کیا گیا اورآپ مولوی صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے نکات کے دلائل اپنے بیان کے ثبوت میں پیش کریں لیکن حضرت مولوی صاحب کے دلائل جو

انہوں نے اپنے انگریزی ترجمہ میں دئیے ہیں عربی زبان کے محاورہ کی عدم واقفیت پر مبنی ہیں۔ ہم ناظرین کی توجہ رسالہ " مسیح ابن مریم" کے صفحہ ۲۸ تا ۳۹ اور رسالہ تجلی بابت مارچ ۱۹۰۸ء کی طرف مبذول کرتے ہیں جہاں اس قرآنی آیہ ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم پر عربی نحو اور محاورہ کے مطابق تفصیل وبسیط کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ درحقیقت وہی بات صحیح ہے جس کو تمام دنیا کے اسلامی علما مانتے ہیں کہ حضرت مسیح کو قرآن نے کلمۃ اللہ کی خصوصیت کے ساتھ مانا ہے پس ہم خواجہ صاحب سے یہ سوال پوچھتے ہیں کہ کیا قرآنی آیہ کا ماخذ بھی افلاطون ہے اور الفاظ" کلمۃ منہ " افلاطونی فلسفہ سے اخذ کئے گئے ہیں جو" بمقام سکندریہ دائروسائر تھا"۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو خواجہ صاحب کو قرآن میں مشرکانہ فلسفہ اور تصورات کا وجود ماننا پڑیگا۔ اگر اسکا جواب نفی میں ہے تو ہم خواجہ صاحب سے یہ دریافت کرینگے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ ایک ہی شے کا وجود انجیل میں تو مشرکانہ فلسفہ کی وجہ سے ہے اور قرآن میں وحی الہیٰ کی وجہ سے ہے۔ پس یا تو قرآن میں بھی مشرکانہ عناصر کا وجود ثابت ہوگا اور یا آپ کا دعویٰ انجیل کی نسبت غلط ہوگا کہ اس میں " فلسفہ کلام کا ماخذ وہ فلسفہ مانا گیا ہے جس کا بانی افلاطون تھا"۔

علاوہ ازیں خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ انجیل یوحنا کی ابتدائی آیات بھی مشرکانہ خیالات کا نتیجہ ہیں۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں: ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔۔۔۔ ساری چیزیں اسی کے وسیلے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی"۔

کلام کی تعلیم کا تو قرآن میں موجود ہونا ثابت ہوگیا اب ہم قرآن ہی سے ثابت کرینگے کہ ساری چیزیں مسیح کلمۃ اللہ کے وسیلے پیدا ہوئیں۔ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۔یعنی اللہ وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا جس دن وہ کہتا ہے ہوجا۔ ہوجایا کرتا ہے اس کا یہ قول ہے (۶: ۷۳) پس ظاہر ہے کہ خدا نے آسمان وزمین کو قول حق سے پیدا کیا۔ وہ قول حق کون ہے؟ معنی قرآن ز قرآن پرُس وبس۔ قرآن ہمیں خود اس سوال کا جواب دیتا ہے ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ (۱۹: ۳۵) یعنی عیسیٰ ابن مریم قول حق ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ قرآن مجید خود اس امر کا اقبال کرتا ہے کہ خدا نے آسمان وزمین کو عیسیٰ بن مریم کلمۃ اللہ کے وسیلے پیدا کیا۔ یہی دلیل ایک مسلمان محقق ڈاکٹر صادق علی صاحب نے اپنے رسالہ مسیح واحمد میں دی ہے (دیکھو صفحہ ۲۹ تا ۲۹)۔ ناظرین دیکھیں کس خوبی سے قرآن انجیل جلیل کی صداقت کو ظاہر کررہا ہے۔ خواجہ صاحب امام غزالی کے قول کو آپ یادرکھیں قال لمہ تفہم المعانی کذالک بنیس لک نصیب من القرآن الافی تشورۃ لمالیس فی البھیمتہ نصیب من البراہ فی تشرہ یعنی اگر تم مطالب (قرآن) کو اس طرح نہیں سمجھتے تو تم کو قرآن سے صرف اس کا چھلکا ہاتھ آیا ہے جس طرح بہایم کو گیہوں میں سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے۔

خواجہ صاحب۔ کیا قرآن میں بھی مشرکانہ عناصر گھس آئے؟ حضرت!

ع ایں راہ کہ تومیری بکفر ستان است

فصل سوم

الوہیت مسیح اور اناجیل

مسئلہ تثلیث فی التوحید کی تاریخ

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ عیسائی فلسفہ کی بنیاد جس سے مسئلہ تثلیث اخذ کیا گیا کچھ تو انجیل یوحنا کی ابتدائی آیات نے اور کچھ پولوس کی تحریرات نے ڈالی تھی" صفحہ ۱۰۷ اور پھر فرماتے ہیں کہ " مسئلہ تثلیث بھی ایک پرانی کہانی ہے " صفحہ ۱۰۵ جو" انسان کی مشرکانہ طبیعت" کا نتیجہ ہے۔ لیکن خواجہ صاحب نے نہ تو کوئی " پرانی کہانی" بتائی جس سے مسئلہ تثلیث اخذ کیا گیا اور نہ آنجناب کو یہ معلوم ہے کہ مسئلہ تثلیث اور لوگوس کے نظیر یہ نے مسیحیت کی وحدانیت کو شرک سے محفوظ رکھاہے اگر جناب تواریخ کلیسیا کو مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا کرتے تو مسئلہ تثلیث کو" انسان کی مشرکانہ طبیعت کا نتیجہ نہ بتاتے۔ ہم مختصر طور پر ناظرین پر یہ حقیقت ظاہر کردیتے ہیں"۔

مسیحیت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے بانی کی شخصیت اس کے پیغام کا مرکز ہے۔ جس شخص نے اناجیل کا سرسری طور پر بھی مطالعہ کیاہے وہ اس امر سے واقف ہے کہ سیدنا مسیح کے دعاوی حضرت موسیٰ یا رسول عربی کی طرح نہ تھے۔ دیگر انبیاء کہتے تھے کہ " خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا اور اس نے یہ فرمایا " لیکن سیدنا مسیح فرماتے تھے " میں تم سے یہ کہتا ہوں"۔ وہ انبیاء کی طرح نہیں بلکہ " ان کو صاحب اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا"۔ پس اس کے شاگردوں نے (جواہل اسلام سے بھی زیادہ موحد تھے اور جن سے اسلام نے توحید کا پیغام سیکھا) صفاتِ الوہیت اس سے منسوب کیں اوراس عقیدہ میں اور توحید کے عقیدہ میں کوئی تضاد نہ پایا۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور مختلف ممالک اور اقوام کے لوگ مسیحیت میں داخل ہونے لگے کلیسیا کو اپنا عقیدہ فلسفیانہ اور مخصوص الفاظ میں ادا کرنا پڑا۔ متلاشی یہ سوال کرتے تھے کہ یہ شخص عیسیٰ جو مر گیا تھا اور جس کو تمام کلیسیائیں زندہ قرار دیتیں اورابن اللہ کہکر پوجتی تھیں کون ہے۔ اگر وہ خدا ہے توپھر دو خدا ہوئے اگر نہیں توجس طرح دیگر اقوام اپنے بزرگان سلف کی پرستش کرتی تھیں مسیحی بھی شرک میں مبتلا ہوئے لہذا مسیحیت اور شرک میں کیا فرق ہوا۔ پس مسیحیت کے سامنے حل طلب بات یہ تھی کہ ایک طرف وہ خدا کی وحدانیت کو برقرار رکھنا چاہتی تھی اور دوسری طرف مسیح کی الوہیت برقرار رکھنا چاہتی تھی تاکہ انجیل کا مرکزی پیغام ضائع نہ ہوجائے[14]۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اور شرک اور بُت پرستی سے محفوظ رہنے کے لئے ۳۲۵ء میں کلیسیائے جامع نے نیکایاہ کی کونسل منعقد کی اور مروجہ فلسفیانہ الفاظ میں اس نے تثلیث کے اس عقیدہ کو وضع کیا جواس وقت سے اب تک محفوظ چلاآتاہے اور جس پر مشرقی اور مغربی ممالک کی کلیسیاؤں کا اتفاق ہے۔ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کے عقیدہ نے مسیحیت کو شرک سے محفوظ رکھا۔ لیکن خواجہ صاحب تثلیث کو" مشرکانہ طبیعت " کا نتیجہ بتارہے ہیں کیا خواجہ صاحب اپنے منظور نظر مورخ گبن کے قول کو بھول گئے ہیں کہ مسیحی شرک اور بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔ اور اسی عدم رواداری اور عصبیت کی وجہ ہی سے ان کی سرفروشی کی نوبت پہنچی تھی؟

---

[14] Gwatkin, The Arian Controversy: Chap. 1&11.

اسی طرح " لوگوس" کے عقیدہ نے بھی مسیحیت کو شرک اور بُت پرستی سے محفوظ رکھا۔ ڈاکٹر ہار نیک کہتا ہے کہ " معلمان کلیسیانے لوگوس کے تصور کو اختیار کیا تاکہ اس سے مسیح کی ذات اور عظمت کا اظہار کریں۔ لفظ "مسیح" کا تصور ان کے اذہان کے لئے کچھ مفہوم نہیں رکھتا تھا۔ چونکہ تصورات وضع نہیں کئے جاسکتے لہذا ان کو یا تو مسیح کو ایک الہیٰ انسان بنانا پڑتا اور یونانی دیوتاؤں کی طرح اس کی ذات کو سمجھنا پڑتا اور یا وہ مسیح کو لوگوس کے ساتھ مترادف قراردے سکتے تھے۔ ان کو پہلی شق رد کرنی پڑی کیونکہ اس میں شرک اور بُت پرستی کی بُو آتی تھی۔ لہذا انہو ں نےلفظ " لوگوس" کو اختیار کرلیا"[15] ۔ پس ثابت ہوگیا کہ " مسئلہ تثلیث اور "انجیل یوحنا ابتدائی آیات نے" کلیسیا کو شرک اور بُت پرستی سے محفوظ رکھا۔ سچ پوچھو تو اسلامی وحدت انسانی طبائع کو شرک کی جانب راغب کرتی ہے۔ اسلامی تصور خدا ایک خالی تصور ہے جو انسانی فطرت کے تقاضا کو پورا نہیں کرسکتے ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کہتے ہیں :

اناجیل ثلاثہ اورالوہیت مسیح

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ عیسائی فلسفہ کی بنیاد جس سے مسئلہ تثلیث اخذ کیا گیا کچھ تو انجیل یوحنا کی ابتدائی آیات نے اور کچھ پولوس کی تحریرات نے ڈالی تھی صفحہ ۱۰۷ جس کا مطلب ہم یہ سمجھے کہ انجیل جلیل کی کتب سے پولوس اور یوحنا کی تحریرات نکال دی جائیں تو باقی ماندہ کتب اور بالخصوص پہلی تین اناجیل سے الوہیت مسیح اور تثلیث کا عقیدہ اخذ نہیں

[15] Harnack, what is Christianity.p.231.

ہوسکتا۔ حالانکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ مسیح کی تعلیم کا جونقشہ قرآن شریف میں پیش کرتا ہے اناجیل اربعہ بھی قریب قریب اس کی مصدق ہیں" صفحہ ۱۴ ۔ یہاں آپ اناجیل ثلاثہ اورانجیل چہارم میں تمیز وتفریق نہیں کرتے بلکہ چاروں انجیلوں کو قرآنی بیان کا مصدق مانتے ہیں۔ اگرآپ کا یہ قول صحیح ہے تو آپ نے اپنے تمام اباطیل کا خودہی جواب دیدیا۔

شادم کہ ازرقیباں دامن کشاں گذشتی گوشت خاک ہم بربادرفتہ باشد

لیکن ہم اتمام حجت کے لئے اناجیل ثلاثہ کو لے کر انشاء اللہ یہ ثابت کرینگے کہ تجسم اور الوہیت مسیح کے مسئلہ میں اناجیل ثلاثہ اورانجیل چہارم متفق ہیں اوران میں ہر گزاس امر میں تفاوت نہیں ہے۔

جس طرح انجیل چہارم میں سیدنا مسیح کی شخصیت کو مرکزی جگہ دی گئی ہے ۔ ویسے ہی پہلی تین اناجیل میں سیدنا مسیح کی تعلیم کا مرکزاس کی اپنی شخصیت ہی ہے اس بات کو سطور ذیل میں واضح کردیا جائیگا۔

انجیل اول وسوم سیدنا مسیح کی معجزانہ پیدائش کاذکرکے انجیل چہارم کے دعاوی کی بالعموم مصدق ہیں۔ لیکن یہاں اختصار کی خاطر ہم صرف چند آیات کا ذکر کرینگے جن سے غیر متعصب شخص پرواضح ہوجائیگا کہ اناجیل ثلاثہ سیدنا مسیح کے ان جملہ دعاوی کی مصدق ہیں جن کا ذکر بالتفصیل انجیل چہارم میں موجود ہے۔

(۱۔) انجیل اول ۷ ا : ۲ ا ۔ اس دن بہتیرے مجھ سے کہینگے۔ اے خداوند ۔ اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت معجزے نہیں دکھائے۔

اس وقت میں ان سے صاف کہدونگا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو میرے پاس سے چلے جاؤ۔

(۲۔) متی ۹: ۶ ابن آدم کو زمین پر گناہوں کے معاف کرنیکا اختیار ہے"۔

(۳۔) متی ۱۰: ۱۔ اس نے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر انہیں ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دُور کریں"۔

(۴۔) متی ۱۰: ۳۶۔ جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں جو کوئی بیٹے یا بیٹی کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔۔۔۔ جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائیگا۔

(۵۔) متی ۱۱: ۲۷" میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا ہے اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔

(۶۔) متی ۱۳۔ ۱۴۔ ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجیگا۔

(۷۔)متی ۱۶: ۲۷۔ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئیگا۔ اس وقت ہر ایک۔۔۔۔ کو اس کے کاموں کے موافق بدلہ دیگا۔

(۸۔)متی ۱۸: ۲۰ ۔ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہونگے وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں"۔

(۹۔)متی ۲۰: ۲۸۔ ابن آدم اس لئے۔۔۔۔آیا کہ۔۔۔ اپنی جان بہتیروں کے بدلے میں فدیے میں دے۔

(۱۰۔) متی ۲۵: ۳۱ جب ابن آدم اپنے جلال میں آئیگا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئینگے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھیگا۔

(۱۱۔) متی ۲۱: ۳۷۔ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کرینگے۔

(۱۲۔) متی ۲۲۔ ۴۵۔ داؤد اس کو خداوند کہتا ہے۔

(۱۳۔) متی ۲۶: ۲۸ ۔ یہ عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔

(۱۴۔)متی ۲۶: ۶۴ ۔ تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔

(۱۵۔)متی ۲۸: ۲۰۔ دیکھو میں دنیا کے آخر تک تمہارے ساتھ ہوں۔

(۱۶۔)لوقا ۲۱: ۱۵ ۔ میں تمہیں ایسی زبان اور حکمت دونگا کہ تمہارا کوئی مخالف سامنا کرنے یا خلاف کہنے کا مقدور نہ رکھیگا۔

(۱۷۔)لوقا ۲۴: ۴۹۔ دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کرونگا۔

اختصار کی خاطر ہم نے صرف چند آیات پر ہی کفایت کی ہے اور بخوف طوالت ہم آیات مذکورہ بالا میں صرف ایک آیت کی مختصر طور پر تشریح کرینگے۔ تاکہ قارئین کرام پر روشن ہوجائے کہ جملہ دعاوی انجیل چہارم میں ہم کو ملتے ہیں۔ وہ اناجیل ثلاثہ میں بھی موجود ہیں۔

یہودی خیالات کے بموجب صرف خدا تعالیٰ ہی " بادلوں" پر سوار ہوسکتا تھا "وہ اپنے بالا خانوں کو پانیوں میں بناتا ہے اور بدلیوں کو اپنی رتھ ٹھہراتا ہے اورہوا کے بازوؤں پروہ سیر کرتا ہے"۔(زبور ۱۰۴ : ۳) پس متی ۲۶: ۶۴ میں سردار کاہن کے سامنے سیدنا مسیح کا اپنی زبان معجز بیان سے یہ فرمانا کہ " تم ابن آدم ---- کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"۔ صرف یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ خدا کے خاص حقوق اپنے اختیار میں رکھتا تھا۔ تب ہی سردار کاہن نے جب یہ الفاظ سیدنا مسیح کی زبان سے سنے اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اورکہا" اس نے کفر بکا ہے---- دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے"۔

اب آیات مندرجہ بالامیں ہم کو صاف طورپر مسیح کے جملہ دعاوی ملتے ہیں۔ سیدنا مسیح سے قیامت کےدن لوگ مخاطب ہوکر جواب دہی کرینگے۔ آنخداوند کو گناہ کے معاف کرنے کا اختیار ہے اور اوروں کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشتا ہے۔ باپ اورماں بیٹے اور بیٹی کے مطالبات کو اپنے دعاوی کے بعد جگہ دیتا ہے ۔ سب کچھ اسے سونپا گیا ہے اور سوائے اس کے باپ کا کسی کو علم نہیں یا جس پر وہ خودظاہر کرے وہ قیامت کے دن جلال کے ساتھ بادلوں پر آئیگا اور ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دیگا۔ وہ زبان اور حکمت عطا کرتا ہے۔ روح القدس کومومنین پر نازل فرماتا ہے۔ اس کا خون دنیا کے گناہوں کے لئے ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ وہ دنیا کے آخر تک ہمارے ساتھ ہے اورجہاں دو یا تین اس کے نام پر اکٹھے ہوں وہ وہاں حاضر ہونے کا وعدہ کرتا ہے۔ غرضیکہ کل الہٰی صفات حاضرہ ناظر ہونا۔ قیامت کے دن عدالت کے تخت پر بیٹھنا الوہیت کے جلال کا ہونا ۔ فرشتوں کو بھیجنا۔ گناہوں کو معاف کرنا۔ روح القدس کا نازل کرناوغیرہ وغیرہ ۔ اناجیل ثلاثہ کے مطابق سیدنا مسیح کی پاک ذات میں پائی جاتی ہیں۔

پس خواجہ کمال الدین صاحب کا یہ قول کہ" عیسائی فلسفہ کی بنیاد جس سے مسئلہ تثلیث اخذ کیا گیا ہے کچھ توانجیل یوحنا کی ابتدائی آیات اور کچھ پولوس کی تحریرات نے ڈالی تھی"(ینابیع المسیحیت صفحہ ۱۰۷) بالکل غلط ہے۔ سیدنا مسیح کے تجسم اورالوہیت کی بنیاد نہ انجیل چہارم کے مصنف نے اور نہ مقدس پولوس کی تحریرات نے ڈالی تھی۔ بلکہ خود سیدنا مسیح کے اقوال اور افعال نے ڈالی تھی جو اناجیل ثلاثہ میں بھی مندرج ہیں۔

اہلِ یہود کے خیالات کے مطابق خدا کی دانش سلیمان میں مجسم ہوئی تھی۔ چنانچہ " کتاب سلیمان کی دانش" کے چھٹے باب کی ۲۲ویں آیت سے یہ امر ثابت ہوجاتا ہے۔وہاں لکھا ہے "۔ لیکن دانش کیا ہے اوروہ کس طرح وجود میں آئی ۔ اس کا حال میں تم کو بتاتا ہوں (اس کے بعد سلیمان کی پیدائش کا حال لکھا ہے) میں (یعنی سلیمان اپنی ماں کے رحم میں گوشت بنا وغیرہ) جس کا صاف طورپر مطلب یہ ہے کہ دانش نے سلیمان کی صورت میں مجسم ہو کر اس دنیا میں وجود اختیار کیا۔ یہ خیال اہلِ یہود میں عام طورپر رائج تھا۔ پس انجیل اول میں سیدنا مسیح کا ایک قول نہایت معنی خیز ہے آنخداوند اپنی زبان معجز سے بیان فرماتے ہیں کہ" دکھن کی ملکہ اس زمانے کے لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن اٹھ کر انہیں مجرم ٹھہرائیگی کیونکہ وہ دنیا کے کنارے سے سلیمان کی حکمت سننے کو آئی اوردیکھو یہاں وہ ہے جو سلیمان سے بھی بڑا ہے "۔(متی ۱۲ : ۴۲)پس سیدنا مسیح کا اس قول سے مطلب یہ تھا اوراس کے سامعین نے بھی یہی سمجھا کہ دکن کی ملکہ دنیا کے کنارے سے اس حکمت کو سننے آئی جو حضرت

سلیمان میں مجسم تھی اوردیکھو اس جگہ خدا کی دانش کا افضل وکامل اوتار اوربہترین مظہر کھڑاہے جس کے مقابلے میں دانش مجسم سلیمان کا ایک ناچیز انسان تھا۔ کیا یہ وہی تعلیم نہیں جوہم کوانجیل چہارم میں ملتی ہے"۔ کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہوکر ہمارے درمیان رہا اورہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال"(یوحنا ۱: ۱۴)۔

انجیل اول کے ۱۱: ۲۵ میں لکھاہے اس وقت سیدنا مسیح نے کہا اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تونے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اوربچوں پر ظاہر کیں۔ ہاں اے باپ کیونکہ ایسا ہی تجھے پسند آیا۔ میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا ہے۔ اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے اوراس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے "آپ انجیل چہارم کی کسی آیت کو چُن لیں اور اس کے ساتھ اس آیت کا مقابلہ کرکے دیکھ لیں کہ آیا کسی قسم کا فرق موجود ہے۔ اگرہم نے یہ بتایا نہ ہوتا کہ یہ آیت انجیل اول میں ہے تو ممکن ہے کہ بعض قارئین کرام کے دل میں خیال پیدا ہوتا کہ ہم انجیل چہارم سے اقتباس کررہے ہیں۔ انجیل چہارم میں لفظ" بیٹا" سیدنا مسیح کے لئے مخصوص ہے اور بار بارہم کو اس انجیل میں ملتا ہے ۔یہی لفظ مرقس ۱۳: ۳۲ میں بھی آیا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنخداوند اس لفظ کو اپنے لئے استعمال فرماتے تھے اوراس لفظ سے جو دعویٰ ظاہر ہوتا ہے وہ بے مثال ہے۔

اس آیت کے متعلق ایک اور امر قابلِ غور ہے " سلیمان کی دانش" کی کتاب میں دانش کی تعریف وتوصیف میں لکھاہے " وہ خدا کے علم کے رازوں کو جانتی ہے " (۸: ۴) جو کوئی سادہ ہوا دھر آئے اسی کو جو دانش سے خالی ہے وہ کہتی ہے چلاآ(امثال ۹: ۴)"اے بیوقوفو دانش کو سمجھو اوراے جاہلو تم سمجھنے والا دل پیدا کرو"(امثال ۸: ۵) ان آیات اوراسی طرح کی دوسری آیت کو انجیل اول کی مذکورہ بالا آیات سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنے آپ کو خدا کی حکمت اور دانش کا تجسم خیال کرتے تھے۔ اگر کسی کے دل میں اب بھی شک ہو تو وہ لوقا ۱۰: ۴۹ اورمتی ۲۳: ۳۴ کا مقابلہ کرکے اس بات کے متعلق اپنی تشفی کرسکتا ہے۔ انجیل سوم ۱۱: ۴۹ میں ہے۔" اسی لئے خدا کی حکمت نے کہا ہے کہ میں نبیوں اوررسولوں کو ان کے پاس بھیجوں گی"۔ لیکن انجیل اول میں اسی سلسلہ میں سیدنا مسیح فرماتے ہیں ۔ دیکھو میں تمہارے پاس نبیوں اور داناؤں اور فقہیوں کو بھیجتا ہوں"۔ کیا ان مقامات سے ثابت نہیں ہوتا کہ آنخداوند اپنے آپ کو الہیٰ دانش کا اوتار اور مظہر جانتے تھے؟

انجیل اول ۱۱: ۲۸ میں ہے " اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ میں تمہیں آرام دونگا۔ میرا جوا اپنےاوپر اٹھالو اور مجھ سے سیکھو۔ کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن تو تمہاری جانیں آرام پائینگی ۔ کیونکہ میراجواملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا ہے"۔

بن سیرہ کی کتاب اکلی ز ایسٹیکس میں جو یہودی کتب اپوکرفا میں شامل ہے ذیل کے الفاظ دانش کی نسبت لکھے ہیں جو مذکورہ بالا آیات کے الفاظ کے مطابق دانش کہتی ہے " اے جاہلو تم میرے پاس آؤ اور تعلیم کے گھر میں رہائش اختیار کرو اپنی گردن دانش کے جوئے تلے کرو۔ اوراس سے سیکھو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ میں نے تھوڑی ہی محنت اٹھائی اورمجھے کتنا آرام ملاہے۔۔۔۔ تم دانش کے پاس آؤ تو تم آرام پاؤ گے "۔ یہاں صاف معلوم ہوتا

ہے کہ سیدنا مسیح ان الفاظ کو دہراتے ہوئے یہ نہیں فرماتے کہ تم الہٰی دانش کے پاس آؤ تو تم آرام پاؤ گے۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ تم میرے پاس آؤ میں تمہیں آرام دونگا پھر آنخداوند یہ نہیں فرماتے کہ اپنی گردن دانش کے جوئے تلے رکھو اور اس سے سیکھو۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں ۔ میرا جوا اپنے اوراوپر اٹھالو اور مجھ سے سیکھو۔ پس صاف ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنے آپ کو مجسم الہٰی دانش یا لوگوس خیال فرماتے تھے۔

ذات او عقل مجسم آمد

انجیل اول کی ایک تمثیل (۱۳: ۴۴) میں سیدنا مسیح فرماتے ہیں کہ "آسمان کی بادشاہت کھیت میں ایک چھپے ہوئے خزانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے پاکر چھپادیا اور خوشی کے مارے جاکر جو کچھ اس کا تھا بیچ ڈالا اوراس کھیت کو مول لے لیا"۔ یہاں الفاظ "آسمان کی بادشاہت" سے مراد سیدنا مسیح خود ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ سیدنا مسیح ایک پوشیدہ خزانہ کی مانند ہیں۔ اس آیت کا مقابلہ ایوب کی کتاب ۲۸: ۱۲ ملاحظہ کریں۔ جہاں دانش ایک پوشیدہ خزانہ قرار دی گئی ہے ۔ دانش کہاں ملتی ہے اور فہمید کا مقام کہاں ہے۔۔۔۔ خرد کا حاصل لعلوں سے زیادہ ہے۔۔۔۔ کیونکہ وہ سب زندوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے" میں ہی دانش ہوں۔۔۔۔ میں ان کو جومجھے پیار کرتے ہیں اچھے مال کے وارث کروں اوران کے خزانے بھردوں"(امثال ۸: ۲۱) اس مقام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنی ذات کو مجسم الہٰی دانش تصور فرماتے تھے ۔ اگر یہ بات حق ہے (اورہم نے اس کو پایہ ثبوت تک پہنچادیا ہے) توسیدنا مسیح اس آیت سے مابعد آیات کا بھی اطلاق اپنے اوپر ضرور کرتے تھے۔ جہاں یہ لکھا ہے"۔ خداوند اپنے انتظام کے شروع میں مجھے (دانش کو) رکھتا تھا۔ اپنی صنعتوں سے پیشتر قدیم سے ۔ میں (دانش) ازل سےمقرر ہوئی ۔ زمین کی پیدائش کی ابتدا سےپہلے۔ میں اس وقت پیدا ہوئی جبکہ گہراؤ نہ تھے اور چشموں کے مکان پانی سے بھرے نہ تھے۔ میں پہاڑوں کے قائم کئے جانے کے پیشتر اور ٹیلوں سے آگے پیدا ہوئی ۔ ہنوز اس نے نہ زمین بنائی تھی نہ میدان بلکہ دنیا کا پہلا ڈھیلا بھی نہ تھا۔ میں اس وقت تھی جبکہ اس نے آسمان بنائے اور سمندر کی سطح پر دائرہ کھینچا۔ جس وقت اس نے اوپر کی طرف بدلیوں کو مقرر کیا اور جس وقت اس نے گہراؤ کے چشموں کو زور بخشا۔ جس وقت اس نے سمندر کی حد ٹھہرائی کہ پانی اس کے حکم سے باہر نہ جائیں۔ جس وقت اس نے زمین کی نیویں ڈالیں اس وقت میں پروردہ کی مانند اس کے ساتھ تھی اور میں روز روز اس کی خوشنودی تھی۔ ہر وقت اس کے حضور خوشنودی کرتی تھی ۔ (امثال ۸: ۳۰-۲۲)۔

پس جب سیدنا مسیح اپنی ذات کو مجسم الہٰی دانش یا لوگوس تصور کرتے تھے ان کا یہ خیال بھی ضرور تھا کہ وہ ابتدا سے پہلے خدا کے ساتھ تھے اورقدیم سے ہی اس کی خوشنودی تھے۔ کیا یہ وہی الفاظ نہیں جو انجیل چہارم میں ہم کوملتے ہیں۔"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ ساری چیزیں اسی کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی "۔ یہ خیالات خود سیدنا مسیح کے دل اور ذہن کے خیالات ہیں ان کی تعلیم کے تمام الفاظ میں یہ خیالات پنہاں ہیں اور جیسا ہم نے ثابت کردیا سیدنا مسیح کی تعلیم کا یہ ایک جزو عظیم ہیں۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محل
سلمیٰ حدوث تو ولیلائے قدم را

سیدنا مسیح کے الفاظ اور خیالات " فلسفہ کلام کے ماخذ " تھے۔ یہاں نہ افلاطون " کا دخل ہے نہ " پولوس" کا نہ " اسرائیلی فلسفی " فائلو کا۔ وہ بیچارے کس گنتی میں تھے۔ سیدنا مسیح کے کلام معجز نظام سے ہم نے ثابت کردیا ہے کہ یہ تمام دعاوی " جو مسیحی کلیسیا کی روحِ رواں ہیں"۔ خود سیدنا مسیح کے خیالات کا نمونہ ہیں۔

اب خواجہ صاحب ہی ہم کو بتلائیں کہ کس طرح کلیسیائی فلسفہ کی بنیاد جس سے مسئلہ تثلیث اخذ کیا گیا کچھ توانجیل یوحنا کی ابتدائی آیات نے اور کچھ پولوس کی تحریرات نے ڈالی تھی" صفحہ ۱۰۷ ہم نے اوپر ثابت کردیا کہ اس مسئلہ کا " ماخذ" اور " سرچشمہ" خود منجئی کونین تھے۔ اورانہی خیالات کو ہم صرف " یوحنا کی انجیل میں ہی نہیں بلکہ چاروں اناجیل میں پاتے ہیں اور صرف انجیلوں کے تذکرات میں ہی نہیں بلکہ کلمۃ اللہ کی تعلیمات میں پائے جاتے ہیں ۔ یہ خیالات آنخداوند کے اپنے ذہن کے تھے اور خارجی اسباب نے اناجیل کے اندر نہیں بھر دئیے "یوحنا" اور "پولوس" کی تحریرات" نے ان خیالات کو واضح کردیا۔ لیکن ان کی بنیاد خود کلمۃ اللہ نے رکھی یوحنا اور پولوس نے کوئی نئی بات اپنے اذہان سے پیدا کرکے نہیں رکھی۔ نہ ہی" افلاطون" یا "فائلو" کی تصنیفات ان خیالات کی ذمہ وار ہیں۔

سیدنا مسیح اور قرآن۔ منجئی کونین کی عظمت نہ صرف انجیل جلیل کے الفاظ سے ظاہر ہے بلکہ قرآن شریف نے سیدنا مسیح کی شان بیان کرنے میں تامل نہیں کیا جہاں انجیل آپ کو ابن اللہ کہتی ہے وہاں قرآن آپ کو روح اللہ کہتا ہے"۔ ابن اللہ کے مفہوم میں وہ تمام روحانی حقائق داخل ہیں جو" روح اللہ میں ہیں اور " کلمۃ اللہ " پر دونوں متفق ہیں۔ پس حقیقت مسیح متنازعہ نہیں وہ ایک الہیٰ راز ہے جو پورا پورا نہیں کھلتا عارفوں کو کبھی کبھی اس ایک ایک جھلک مل جاتی ہے اور کوئی اسکو ابن اللہ سے اور کوئی اس کو روح اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن نے آپ کی شان کو اتنا بڑا مانا کہ آپ کی مثل اسلام کے انبیاء اوراولیا میں کسی کی شان نہی قرآن نے آپ کی فوق البشر پیدائش مان کر آپ کے سارے نشوونما اور زندگی کو بھی فوق البشر مان لیا آپ کو ہر ایک گناہ وخطا اور عصیاں سے پاک ٹھہرایا۔ نفس وشیطان سے فطرۃً محفوظ اور یہ وہ رتبہ ہے جس میں کوئی بشر آپ کی ٹکر کا نہ نکلا۔ قرآن نے آپ کو موت سے بھی بری کردیا پس زندہ نبی سوائے مسیح کے کوئی بھی نہیں۔اسلام نے سیدنا مسیح کے نزول ثانی کو بھی مان لیا کہ آپ رحم اور عدل اور نیکی کا تسلط دنیا میں کرائینگے۔ قرآن نے صرف کلمۃ اللہ کو ہی یہ شان دی کہ آپ بھی خلق کرنے میں خدا کے شریک ہوں صرف فرق یہ ہے کہ خدا کی نسبت توکہا یخلق مایشاء ۔ اللہ خلق کرتا ہے جو چاہتا ہے وہ خالق مطلق ہے مگر مسیح خالق باذن اللہ ہے تابع مرضی الہیٰ۔ مسیح کو قرآن نے مخلوق توکہا مگر اس قسم کا مخلوق نہیں جو خالق نہ ہو۔ اس نے نہ صرف خلق کیا بلکہ خدا کی طرح خلق کیا خدا نے آپ کو قدرت عطا کی کہ وہ اس کی طرح خلق کرے۔ پس قرآن نے جناب مسیح کو سب مخلوق سے اعلیٰ اور بالا مان کرخالق ارض وسما کا آئینہ قدرت بنادیا"(تجلی)۔

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را برتر از عالم وآدم چہ عالی نسبی

اب بھی اگر کوئی مومن مسلمان نہ مانے تو اس کی بے بصیرتی ہے۔خود قرآن کہتا ہے أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لاَّ يَخْلُقُ أَفَلا تَذَكَّرُونَ (سورہ نحل ۱۷)"بھلاجوخلق کرتا ہو وہ اس کی مانند ہوسکتا ہے جو خلق نہیں کرسکتا۔ پس اے لوگو تم کیوں سوچ کر بات نہیں کرتے "۔ یہی سوال خواجہ

صاحب کو مخاطب کرکے پوچھتے ہیں کہ جناب خواجہ صاحب " تم کیوں سوچ کر بات نہیں کرتے "۔ کیوں ان انجیلی آیات میں جوسیدنا مسیح کی عظمت کوظاہر کرتی ہیں مشرکانہ عناصر کو ڈھونڈتے ہو۔ قرآن میں اس بارے میں انجیل کا مصدق ہے کیا قرآن میں بھی مشرکانہ عناصر گھس آئے۔

ضمیمہ باب چہارم

مشاہیر کلیسیائے انگلستان کے معتقدات جدیدہ

جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے ینابیع المسیحیت کی فصل اول میں چند مشاہیر انگلستان کے معتقدات جدیدہ کاخاکہ کھینچاہے۔آپ نے یہ باب اس واسطے تحریر فرمایا ہے کہ عوام الناس پر ظاہر ہوجائے کہ " یہ بزرگ ہر ایک ایسی تعلیم کو جو صدیوں سے جناب مسیح کے نام پر دی جارہی ہے۔ اس کو لوگوں کے دل سے نکال کر اس کی جگہ کوئی نئی تعلیم اب ڈالنا چاہتے ہیں "صفحہ ۱۶ مثال کے طور پر جناب نے مسئلہ الوہیت اور "بمقام اکسفورڈ اگست ۱۹۲۱ء میں پادریوں کی ایک کانگریس" صفحہ ۳۰ کو لیاہے۔ناظرین پرواضح ہوکہ یہ کانفرنس "آکسفورڈ" میں نہیں بلکہ کیمبرج میں منعقد ہوئی تھی اور بالعموم " گرٹن کانفرنس " کے نام سے موسوم ہے۔ خیر آپ نے مرحوم ڈاکٹر ریشڈال صاحب کی تقریر کو لے کر یہ ثابت کرناچاہاہے کہ یہ چوٹی کے پادری" ایسی تعلیم کو جو صدیوں سے جناب مسیح کے نام پر دی جارہی ہے اس کولوگوں کے دل سے نکال کر اس کی جگہ کوئی نئی تعلیم اب ڈالنا چاہتے ہیں "۔ ہم ناظرین پر انشاء اللہ یہ ظاہر کردینگے کہ جناب خواجہ صاحب کا یہ دعویٰ سراسر غلط ہے اور مسیحی مذہب اور تواریخ کلیسیا اور متقدمین کلیسیا کی تحریرات کی عدم واقفیت پر مبنی ہے۔

ہمیں بار بار حضرت خواجہ صاحب کی عدم تحقیق کی شکایت کرنی پڑتی ہے۔ اگرجناب خواجہ صاحب مطالعہ کی زحمت گوارا فرماتے اور معتقدات جدیدہ کے لٹریچر کو پڑھتے یاکم ازکم ان اصحاب سے جنکا ذکر انہوں نے فصل اول میں کیاہے گفتگو یاخط وکتابت کرتے تو ان پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ جووہ تحریر کررہے ہیں سراسر اور قطعاً غلط ہے ان اصحاب کا ایک ماہوار پرچہ دی ماڈرن چرچمین The Modern Churchman نکلتاہے اس کا ہر مبصر حضرت خواجہ صاحب کے دعویٰ کی تکذیب کرسکتا ہے۔ یہ اصحاب کوئی " نئی تعلیم نہیں دیتے بلکہ چاہتے ہیں کہ مسیحی تعلیم وعقائد کو دورِ حاضرہ کے الفاظ میں ادا کیا جائے تاکہ مسیحی زمانہ گذشتہ کے غیر مروج فلسفیانہ الفاظ کو بغیر سوچے سمجھے نہ رٹا کریں۔ یہ بجنسہ ایساہے جیسا کوئی مسلمان اسلامی عقائد کی دورحاضرہ کے خیالات کے مطابق تشریح کرے صرف ایک ناواقف شخص ہی ایسے مسلمان کی بابت کہیگا کہ وہ نئی تعلیم دے رہاہے اوردائرہ اسلام سے باہر ہوناچاہتاہے۔

ڈاکٹر سپیرد سمپن نےان تقاریر کے خلاف جو گرٹن کانفرنس میں ہوئی تھیں ایک رسالہ[16] بنام" معتقدات جدیدہ اور مسیح کی ذات لکھاہے۔ یہ قابل مصنف بھی اس بات کو صاف کردیتا ہے کہ معتقدات جدیدہ کوئی نئی تعلیم اور عقائد نہیں جن کو یہ جماعت پرانے اعتقادات کے عوض اختیار کرنا چاہتی ہے "۔ وہ کہتا ہے کہ" ان اصحاب کی یہ کوشش ہے کہ اپنے پرانے عقائد کی دورِ حاضرہ کے خیالات کے ساتھ تطبیق کریں"۔ خواجہ صاحب خودہی دیکھ

[16] Sparrow, Simpson Modernism and the Person of Chirst.

سکتے ہیں کہ ان اصحاب کے مخالفین تسلیم کرتے ہیں کہ وہ کوئی نئی تعلیم نہیں دیتے بلکہ وہی تعلیم دیتے ہیں جو صدیوں سے کلیسیا میں رائج ہے۔

بمصداق مشتے نمونہ ازخروارے ہم خواجہ صاحب کے ان اقتباسات کو لیتے ہیں جو انہوں نے مرحوم ڈاکٹر ریشڈال صاحب کی تقریر سے لئے ہیں اور جو ان کے خیال کے مطابق ثابت کرتے ہیں کہ الوہیت مسیح کی جگہ اب کوئی " نئی تعلیم " سکھائی جارہی ہے۔ جس کو آپ ایک اورجگہ "اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں اور گویا ہندوستان کے جاہل مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ مرحوم ڈین صاحب اسلام کی طرف رجوع کررہے ہیں ان ناواقف مسلمانوں کو ہم بتلانا چاہتے ہیں کہ مرحوم ڈاکٹر صاحب اسلام کو ایک بے حقیقت شے خیال کرتے تھے اورآپ ان انگریزوں کو جو بوجوہ چند درچند اسلام کے حلقہ بگوش ہوچکے ہیں[17] " سودائی" خیال فرماتے تھے۔

بہر حال ہم یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جس تعلیم کو خواجہ صاحب " نئی تعلیم" خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت وہی تعلیم ہے جو" صدیوں سے جناب مسیح کے نام پردی جارہی ہے"۔

اول۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے یہ فرمایا تھا کہ آنخداوند حقیقی اور کامل انسان تھے اور آپ کی روح ، عقل، اور قوت ارادی انسانی تھی۔ کیا یہ کوئی" نئی تعلیم" ہے کیا کلیسیا صدیوں سے سکھاتی آئی ہے کہ جناب مسیح خدا تھے پر انسان نہ تھے یا کہ آنخداوند کا مبارک جسم تو انسانی تھا۔ لیکن ان کی روح انسانی نہ تھی؟ مقدس اتھاناسیس کا عقیدہ مسیحی کلیسیا کو" صدیوں سے " یہ سکھاتا چلا آیا ہے کہ" ایمان صحیح یہ ہے کہ ہم ایمان لائیں اور اقرار کریں کہ ابن اللہ ہمارا خداوند یسوع مسیح خدا اورانسان ہے--------- کامل خدا اور کامل انسان نفسِ ناطقہ اورانسانی جسم کی ترکیب میں موجود---------- نفس ناطقہ اور جسم ایک انسان ہے"۔ یہاں صاف ظاہر ہے کہ کلیسیا کی یہ تعلیم ہے کہ نہ صرف آپ کا جسم ہی انسانی تھا بلکہ آپ کی روح بھی انسانی تھی۔ کوئی شخص بغیر انسانی روح کے کامل انسان نہیں ہوسکتا اگرآپ مسیحی کلیسیا کی تواریخ سے واقف ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ ۳۷۵ء میں ایک شخص مسمی اپولی نیریس کی یہ تعلیم تھی کہ آنخداوند میں نفسِ ناطقہ اورانسانی روح نہیں تھی۔ اگرچہ آپ کا جسم ایک انسانی جسم تھا لیکن کلیسیای جامع نے اس کو بدعتی قرار دیا تھا " اور صدیوں سے" ایسی تعلیم کو بدعتی قرار دیتی رہی ہے پس ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کوئی " نئی تعلیم نہیں تھی بلکہ وہی تعلیم تھی جو" صدیوں سے جناب مسیح کے نام پردی جارہی ہے"۔

لیکن خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ نفسِ ناطقہ کی تین بڑی صفات روح، عقل اور قوت ارادی ہیں۔اب اگر بقول ڈین (ڈاکٹر ریشڈال صاحب) مسیح میں یہ تینوں باتیں اسی قسم کی ہیں جو انسان میں ہوتی ہے توپھر وہ کن معنوں میں خدا ہے"۔ اول تو روح، عقل، اور قوت ارادی" نفس ناطقہ کی "صفات" نہیں ہیں۔ خیر اس امر سے ہم کو اس وقت بحث نہیں ہے لیکن خواجہ صاحب کو معلوم ہے کہ مسیحی کلیسیا سیدنا مسیح کو کامل خدا اور کامل انسان مانتی چلی آئی ہے۔ آپ کے سوال کا جواب ڈاکٹر صاحب مرحوم کی اسی تقریر کے آخری حصہ میں موجود ہے۔

دوم۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے یہ کہا تھا کہ سیدنا مسیح کی انسانی روح ازل سے موجود نہیں تھی ۔ مسیحی کلیسیا کی صدیوں سے یہی تعلیم رہی کہ کلام

---

[17] Rashdall, Conscience and Christ pp.259 -61

ازلی ہے لیکن انسان عیسیٰ ازل سے موجود نہیں تھا اوریہی کلیسیا کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ پھر خواجہ صاحب کیونکر اس کو" نئی تعلیم" سے تعبیر کرسکتے ہیں؟ کلیسیا کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ مقدس ثالوث کا دوسرا اقنوم یا کلام اللہ ازل سے موجودہے کیونکہ " تثلیث میں کوئی مقدم یا موخر نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ کل تینوں اقانیم ہم قدم ہیں (عقیدہ اتھاناسیس) اور پیدائش سے پہلے سیدنا مسیح کی انسانی روح کا وجود نہیں تھا۔بلکہ" کلام مجسم ہوا اورہمارے درمیان رہا"۔(یوحنا ۱ : ۱۴)وہ تجسم سےپہلے مجسم نہیں تھا "۔ یہی تعلیم صدیوں سے جناب مسیح کے نام پر دی جارہی ہے "۔ خواجہ صاحب موصوف کی عدم واقفیت اس کوایک" نئی تعلیم "بنارہی ہے۔

سوم۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے یہ کہا تھا کہ سیدنا مسیح کی الوہیت سے یہ مراد نہیں کہ وہ عالم کل تھے۔ یہ تعلیم بھی نئی نہیں بلکہ آنخداوند کی زبان مبارک نے خود دی ہے۔ روز قیامت کے بارے میں خداوند نے فرمایا ہے"۔لیکن اس دن اوراس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا ۔ نہ آسمان کے فرشتے ، نہ بیٹا مگر صرف باپ "۔ (متی ۲۴: ۳۶۔ مرقس ۱۳ : ۳۲) مقدس لوقا انجیل نویس فرماتاہے "۔ اور وہ لڑکا (سیدنا مسیح) بڑھتا اور قوت پاتا گیا اورحکمت سے معمور ہوتا گیا"(۲ : ۴۰)اب خواجہ صاحب ہی ملاحظہ فرمالیں کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی " تعلیم صدیوں سے جناب مسیح کے نام پر دی جارہی ہے "۔ یا نہیں۔ اگر خداوند پیدائش کے وقت سے ہی عالم کل تھے" تو حکمت سے معمور ہوتا ہوگیا" بے معنی الفاظ ہونگے۔ اور خداوند کے زبانِ معجز بیان کے الفاظ توفیصلہ کنُ ہیں۔ تجسم کا مطلب ہی یہ ہے کہ علم محدود ہوجائے اگر خداوند کی انسانی روح کل امور سے واقف تھی اور تجسم کے وقت سے ہی عالم الغیب اور عالم کل تھی تو وہ انسانی روح نہ ہوگی۔ وہ خدا کی روح ہوگی لیکن کلیسیا کی تعلیم یہی ہے کہ " وہ خدا اورانسان ہے مگر دو نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ ایک ہے اس طور پر نہیں کہ الوہیت کو جسم سے بدل ڈالا بلکہ انسانیت کو خدامیں قبول کرلیا۔ مطلقاً ایک ہے۔ اس طور پر نہیں کہ جوہروں کا اختلاط ہوا۔ بلکہ اقنوم کی یکتائی ہے"۔ اتھاناسیس کا عقائد نامہ)۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس تیسری بات نے الوہیت چھوڑ آپ کی (آنخداوند کی) نبوت کا بھی صفایا کردیا۔ کیوں صاحب؟ کیا نبی عالم الغیب ہوا کرتے ہیں یا عالم کل۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ رسولِ عربی غیب کی باتوں سے واقف نہ تھے(سورہ انعام نمبر ۹ ۴۔ سورہ ہود نمبر ۳۲)۔

چہارم۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا تھا کہ آنخداوند کی الوہیت میں اورآپ کی معجزانہ پیدائش میں کوئی لازمی تعلق نہیں۔ اگر کوئی شخص معجزانہ پیدائش کا منکر ہو تو بھی وہ الوہیت کااقرار کرسکتاہے۔آپ کامطلب تھا کہ یہ دونوں باتیں لازم ملزوم نہیں ہیں یہ دونوں عقیدے ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں کلیسیائی جامع کی یہ تعلیم ہے کہ ابن اللہ پیدائش کے وقت ابن اللہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ازل سے ہی ابن اللہ تھا لہذا ازلی کلمہ کی الوہیت اور پیدائش کاآپس میں تعلق نہیں۔

لیکن جب آپ فرماتے ہیں کہ مسیح سے بن باپ ہونے سے دین موصوف انکاری نظر آتے ہیں "۔ صفحہ ۳۳ توآپ غلط فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب کے دیباچہ کے آخرمیں فرمایاہے کہ محبت اور اخلاص کی بنا پر" صفحہ ۱۲ آپ نے یہ کتاب تحریر کی ہے۔ لہذامیں آپ کی خلوص نیت پر شک نہیں لاتا۔ بلکہ آپ کی اس غلطی کو ڈین مرحوم کی تصنیفات سے عدم واقفیت پر

محمول کرتا ہوں اور برادرانہ صلاح دیتا ہوں کہ آپ کسی مصنف کی کتاب کا مطالعہ کئے بغیر رائے قائم نہ کیا کریں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی کتاب[18] میں فرماتے ہیں " آپ یاد رکھیں کہ اس سے میری مراد نہیں کہ میں معجزانہ پیدائش کے برخلاف ہوں اور نہ ہی میں اب اس کے برخلاف کچھ کہنے کو تیار ہوں "صفحہ ۳۵۔ اب خواجہ صاحب ہی انصاف کریں کہ " کیا ڈین صاحب موصوف مسیح کے بن باپ ہونے سے انکاری نظر آتے ہیں "۔

پنجم۔ ڈین صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کہ آنخداوند نے کبھی اپنی ذات کے لئے الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہاں پھر میں خواجہ صاحب کو ان کی مذکورہ بالا کتاب کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس میں ڈین صاحب نے اپنے خیالات کو صاف طور پر ظاہر اور واضح کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں " اس وقت سوال زیر بحث یہ نہیں کہ ہمارے خداوند نے دعوے کئے ہیں جن سے آپ کی الوہیت مدلل طور پر مستنبط ہوسکتی ہے۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ نے صاف طور پر الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ آپ نے صریح الفاظ میں یہ کبھی نہیں فرمایا کہ میں خدا ہوں ---- اور یہ تعلیم کلیسیا کی تعلیم کے خلاف نہیں۔ کیونکہ عقائد ناموں میں ہم کو یہ نہیں سکھایا گیا کہ ہمارے خداوند نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم ان کو الوہیت کا درجہ نہ دیں کلیسیا نے مسیح کو خدا مانا ہے یعنی کامل خدا اور کامل انسان اور میرا مذہب یہ ہے کہ کلیسیا اس امر میں حق پر ہے" صفحہ ۴۰ اب آپ ہی فرمائیں کہ کیا یہ مرحوم کوئی " نئی تعلیم" دیتے تھے یاوہی تعلیم جو صدیوں سے جناب مسیح کے نام پر دی جارہی ہے۔ آپ جیسے اصحاب کے مرحوم ڈاکٹر صاحب نہایت شاکی تھے۔ چنانچہ وہ اپنی مذکورہ بالا کتاب کی فصل اول میں کہتے ہیں " اخباروں کی ایک بڑی تعداد نے دنیا میں ---- وہ باتیں شائع کردیں جو میں نے خداوند کی انسانیت کے بارے میں کہی تھیں لیکن انہوں نے وہ باتیں شائع نہ کیں جو میں نے خداوند کی الوہیت کی بابت کہی تھیں۔ پس ہزاروں اشخاص نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ میں نے مسیح کی الوہیت کا انکار کیا تھا"۔ ان ہزاروں اشخاص" کی صف میں ہم کو حضرت خواجہ صاحب بھی نظر آتے ہیں۔

[18] Rashdall, Jesus, Human and Divine. P.35.

باب پنجم

کلیسیائی رسوم اور مشرکانہ عقائد

فصل اول

کلیسیائی رسوم

تمہید۔ مسیحیت اور رسوم

اناجیل کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہے کہ مسیحیت صرف اعلیٰ ترین روحانی اصول پر ہی مشتمل ہے اور وہ ان مراسم سے جن سے دیگر مذاہب مثلاً ہندومذہب ، یہودیت اور اسلام ہم کو لدے نظر آتے ہیں سراسر پاک ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسیحیت میں عالمگیر مذہب ہونے کی اہلیت بھی ہے صرف دورسمیں مسیحی کلیسیا میں پائی جاتی ہیں یعنی بپتسمہ اور عشائے ربانی ۔ بپتسمہ کلیسیا میں شمولیت کی رسم ہے۔ اور عشائے ربانی ہمارے منجی کی مبارک موت کی یادگار ہے۔ ان دورسوم کی بابت حضرت خواجہ کمال الدین صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بھی مشرکانہ مذاہب ہے مسیحیت نے اخذ کی ہیں۔آپ کہتے ہیں کہ " جو کچھ بھی وہ(عیسائی دوست) جناب مسیح کے متعلق مانتے ہیں وہ سب کی سب قبل از مسیح آفتاب پرستی میں موجود ہے۔ بپتسمہ اور عشائے ربانی بھی پہلے سے موجود ہے---- الغرض کونسی بات ہے جو پیگن ازم میں موجود نہیں" صفحہ ۸۶ "متھرا مذہب میں بپتسمہ اور عشائے ربانی کی رسم بھی قبل از مسیح صدیوں پہلے ادا ہوتی تھی "صفحہ ۱۲۹ ہم اس فصل میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے دعاوی کہ بپتسمہ اور عشائے ربانی کی رسوم آفتاب پرستی اور متھرا مذہب سے لی گئی ہیں قطعاً غلط ہیں اور عدم تحقیق اور عدم واقفیت پر مبنی ہیں۔اول تو خواجہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ رسوم مسیحیت کا جزولاینفک نہیں ہیں۔ مسیحیت صرف روحانیت پر ہی مشتمل ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض فرقے مثلاً انجمن احباب (Quakers) اور مکتی فوج وغیرہ ان کو عمل میں نہیں لاتے پس خواجہ صاحب کو ان رسوم کی بنا پر مسیحیت کو مشرکانہ مذہب قرار دینا عقل سے بعید ہے لیکن ہم خواجہ صاحب کی خاطر اگر مان بھی لیں کہ یہ رسوم مسیحیت کا جزو ہیں تو بھی ان کا مذکورہ بالا دعویٰ کسی طرح سے صحیح نہیں ہوسکتا۔

(۱)

بپتسمہ کی تاریخ۔ بپتسمہ ایک یہودی رسم تھی

اول بپتسمہ۔ اگر خواجہ صاحب تحقیق کرنے کی تکلیف گوارا فرماتے تو ان پر ظاہر ہوجاتا کہ بپتسمہ کی رسم یہودیوں میں سیدنا مسیح سے پہلے جاری تھی۔اہل یہود غیر اقوام کے اشخاص کو یہودیت میں داخل کرلیا کرتے تھے۔سکندر اعظم کی فتوحات نے اہل یہود کی کایا پلٹ دی تھی۔ جب ۳۳۱ء میں سکندریہ کی بنیاد پڑی سکندر نے بہت سے یہودیوں کو وہاں آباد کردیا۔ اس کے بعد یونانی اور رومی اراکین سلطنت کی دانشمندانہ حکمت عملی اہل یہود کو مغربی ممالک میں لے گئی اور وہ مشرق ومغرب کو یکجا کرنے کا وسیلہ ہوئے۔ انہوں نے غیر اقوام میں خدا کی وحدانیت کا تصور پھیلادیا۔ عہدِ عتیق کے یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ نے مشرکین پر ظاہر کردیا کہ یہود کا مذہب دیگر جملہ

مذاہب سے برترواعلیٰ ہے۔ اہل یہود کی روحانی زندگی کے مرکز ان کے
عبادتخانے ہوتے تھے جو بڑے قصبہ اور شہر میں ان کے مذہب کے زندہ گواہ
تھے۔ فائلو کہتا ہے کہ " ہر شہر میں سبت کے روز ہزاروں درسگاہیں کھولی جاتی
ہیں جن میں دانش ، فہم ، اعتدال ،انصاف اور دیگر نیکیوں کی تعلیم دی جاتی
ہے"۔ جب مشرکین بازاروں ، عدالتوں ، حماموں اور تماشگاہوں یا سیانی
مناظروں کے تماشہ کے لئے جاتے تھے وہ یہودی عبادتخانوں کے کھلے دروازوں کو
دیکھ سکتے تھے اور پرستاروں کی دعاؤں کو سن سکتے تھے۔

ہر کہ خواہد گوبیاوہر کہ خواہد گوبرو   گیرودار حاجب ودرباں دریں درگاہ نیست

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ مشرکین میں سے ہزاروں یہودیت کے
حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔ جو اشخاص بپتسمہ پا کر ختنہ کرانے پر رضامند ہوجاتے وہ
باقاعدہ طور پر یہود میں شمار کئے جاتے لیکن ایک بڑی جماعت ایسی بھی تھی جس
کے شرکاء کو اہل یہود نے " خدا ترس" (دیکھو اعمال ۱۰: ۲، ۲۲۔ ۱۳:
۱۶ ، ۲۶ کا نام دے رکھا تھا۔ وہ عبادتخانوں میں آتے تھے سبت کا دن مانتے
تھے لیکن مختون نہیں تھے۔ کیونکہ ختنہ کی وجہ سے ان کوماں باپ اور رشتہ داروں
کو چھوڑنا پڑتا تھا جس طرح دورِ حاضرہ میں جو شخص بپتسمہ لیتا ہے وہ اپنے گھر سے
خارج کیا جاتا ہے ۔ پس اہل یہود اور یہودیت نے مشرکین کو اس قدر متاثر کردیا
تھا کہ حکیم سینیکا کہتا ہے کہ " اس کمبخت قوم نے اپنے فاتحوں کو مفتوح کرلیا
ہے" اور ٹیسی ٹس کہتا ہے کہ اہل یہود کے مرید بے شمار تھے جان
ہرکینس(John Hyrcannus) نے اہل ادومیہ کو اور
ایرسٹوبولس(Aristobolus) نے اہل اتوریہ کو زبردستی یہودیت کے حلقہ
بگوش کرلیا تھا۔ دمشق کی عورتوں کی ایک بڑی تعداد یہودیت پر عاشق
تھی۔خاص روما کا یہ حال تھا کہ ۱۶۱ قبل مسیح اہل یہود روم گئے تھے اور
۱۳۹ قبل مسیح کے ناظم نے اہل یہود کو شہر بدر کردیا تھا کیونکہ اس اثناء میں
یعنی بائیس سال کے عرصہ میں اہل یہود نے تبلیغی مساعی کی وجہ سے روم کے
بے شمار لوگوں کو یہودی مذہب میں شامل کرلیا تھا ۔۶۳ قبل مسیح میں جب
روم نے اہل یہود کے ملک پر قبضہ پایا تو اہل یہود مغرب کے لاطینی ممالک میں
پھیل گئے ۔ جدہر تجارت کا رُخ ہوتا اہل یہود بھی وہاں چلے جاتے۔ ان کا مذہب
لوگوں کے دلوں کو متاثر کرنے لگا وہ غیر اقوام کو یہودیت کے حلقہ بگوش کرتے
جب وہ کسی کو "غیر اقوام " میں سے یہودیت میں داخل کرتے تھے وہ نہ صرف
اس کا ختنہ کرتے تھے بلکہ بپتسمہ بھی دیا کرتے تھے ۔ اس کے معلموں میں سے
تین اس کو تالاب کے پاس لے جاتے جہاں وہ گردن تک پانی میں کھڑا کردیا جاتا
اور معلم شریعت کے احکام اس کو سناتے وہ ان احکام پر چلنے کا وعدہ کرتا تب
اس برکت کا کلمہ پڑھا جاتا اوراس کو پانی میں غوطہ دیا جاتا۔ یوحنا بپتسمہ دینے
والے نے اس رسم کو یہودیوں کے لئے مقرر کیا اوراتنے اشخاص کو اس نے
بپتسمہ دیا کہ اس کا نام ہی " یوحنا بپتسمہ دینے والا" پڑگیا۔ سیدنا مسیح خود
بپتسمہلیا(متی ۳ باب) اور دیا (یوحنا ۳: ۲۶)سیدنا مسیح کے شاگرد اس کی حین
حیات میں لوگوں کو بپتسمہ دیا کرتے تھے (یوحنا ۴: ۲) سیدنا مسیح نے بپتسمہ
دے کرلوگوں کو کلیسیا میں شامل کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا"(متی ۲۸: ۹)
اوران کے شاگرد اس پر عمل پیرا بھی رہے (اعمال ۲: ۳۸، ۸: ۱۶، ۱۵:
۴۸، ۱۹: ۵ وغیرہ)اورتاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ رسولی زمانہ سے دورحاضرہ
تک ہر ملک اور زمانہ کی کلیسیا بپتسمہ کے ذریعہ لوگوں کو کلیسیا میں شامل کرتی
چلی آئی ہے۔

مسیحی بپتسمہ مشرکانہ رسم نہیں ہے

معلوم نہیں خواجہ صاحب کس بنا پر فرماتے ہیں کہ بپتسمہ آفتاب پرستی سے لیا گیا ہے۔ یہ غالباً سچ ہے کہ مختصراً مذہب میں بپتسمہ کی رسم جاری تھی لیکن یہ بات غلط ہے کہ مسیحی رسم محقرا مذہب سے لی گئی تھی چنانچہ ڈاکٹر پلمر صاحب کہتے ہیں " مشرکانہ بپتسمہ کا مسیحی بپتسمہ کے ساتھ کوئی تواریخی تعلق نہیں[19] ہے"کہاں سانڈ کے خون میں غسل کرنا اور خون کا چاٹنا اوراس کو کانوں ، نتھنوں اورآنکھوں میں ٹپکانا اورکہاں مسیحی بپتسمہ !! وحشی اقوام میں جب کسی شخص کو کسی قبیلہ میں داخل کرتے تھے تو جانور کا خون اس پر چھڑکا جاتا تھا اور اس خون کے وسیلے وہ بچہ قبیلے کے معبود یا دیوتا کے ساتھ یگانگت حاصل کرتا[20] تھا مشرکانہ مذاہب کے خونیں بپتسمہ کا بھی یہی مدعا تھا اوران کے پیروؤں کے خیالات اس حد سے بڑھے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن ایسے خیالات ہم کو انجیل کی تحریرات میں کہیں نہیں ملتے۔

بپتسمہ کی رسم اور پولوس رسول

خواجہ صاحب پولوس رسول پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے یہ مشرکانہ رسم مسیحیت میں داخل کردی۔ ہم بپتسمہ کی تاریخ اورانجیل سے ثابت کرچکے ہیں کہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ اتمام حجت کی خاطر ہم پولوس رسول کے الفاظ سے خواجہ صاحب کی تسلی کردیتے ہیں۔ رسول مقبول کی تحریرات سے یہ ظاہر ہوجاتاہے کہ وہ مسیحی بپتسمہ کا پیشرؤ متھرا کا بپتسمہ نہیں مانتا بلکہ یہودیت میں

[19] Hastings. Dictionary of the Bible.vol.1. Art Baptism. P.238
[20] Encyclopeida of Religion and Ethics. Vol2 p.372

اس کی پیش خبری دیکھتا ہے اور یہودیت ہی میں مسیحی بپتسمہ کا ایما اس کو نظر آتاہے۔ چنانچہ وہ کرنتھیوں کو کہتا ہے کہ" اے بھائیو میں تمہارا اس سے ناواقف نہیں رہنا چاہتا کہ ہمارے سارے باپ دادا بادل کے نیچے تھے اور سب کے سب سمندر میں سے گذرے اورسب ہی نے اس بادل اور سمندر میں موسیٰ کا بپتسمہ لیا" پولوس رسول اسرائیلیوں کے بادل کے نیچے سے گذرنے اور سمندر کے پانی میں سے گذرنے میں نہ سانڈ کے غسل میں مسیحی بپتسمہ کی تصویر دیکھتا ہے ۔ اسی طرح مقدس پطرس بھی یہودیت کی تاریخ میں بپتسمہ کا ایما پاتا ہے اورکہتا ہے کہ "جب خدا نوح کے وقت میں تحمل کرکے ٹھہرارہا تھا اور وہ کشتی تیار ہورہی تھی جس پر سوار ہوکر تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلے سے بچیں اوراسی طرح پانی کا مشابہ بھی یعنی سیدنا مسیح کے جی اٹھنے کے وسیلے سے اب تم کو بچانا چاہیے"(۱ پطرس ۳: ۲۰)اب دیکھئے پطرس رسول یہودیت میں بپتسمہ کی تشبیہ ڈھونڈھتا ہے۔ پولوس رسول بھی یہی کرتا ہے ۔ یوحنا بپتسمہ دینے والا بھی یہودی رواج کو ہی اختیار کرتا ہے اور اپنے بپتسمہ اور مسیحی بپتسمہ میں فرق بھی بتادیتا ہے(متی ۳: ۱۱ - یوحنا ۱ : ۳۴) یوحنا کا بپتسمہ " گناہوں کی معافی" کے لئے تھا لیکن مسیحی بپتسمہ میں نہ صرف گناہوں کی معافی حاصل ہوتی تھی بلکہ روح بھی عطا ہوتی تھی (اعمال ۲: ۳۸) پس بپتسمہ کی رسم سیدنا مسیح نے یہودیت سے اخذ کرکے اس میں بلند ترین مطلب بھر دئیے (یوحنا ۳ باب)اور بپتسمہ محض رسم ہونے کے بجائے قوت کاہتھیار اور فضل کا وسیلہ ہوگیا۔ اس کا بیرونی نشان نہ صرف پانی تھا بلکہ اس میں الفاظ کا اضافہ بھی تھا۔ سیدنا مسیح کے نام میں" کیونکہ مسیحی بپتسمہ" سیدنا مسیح کے نام

میں دیا جاتا تھا اس کا اندرونی مطلب نہ صرف گناہوں کی معافی حاصل کرتا تھا بلکہ پاکیزگی کی روح کا عطیہ بھی تھا۔

مشرکانہ مذہب کے لٹریچر میں کہیں اس بات کا نشان بھی نہیں ملتا ان میں کسی دیوی دیوتا کے نام میں " بپتسمہ دیا جاتا ہو مسیحی بپتسمہ کا یہ امتیازی نشان کہ بپتسمہ " مسیح کے نام میں " دیا جاتا تھا عہد جدید کی کتب کا سرسری مطالعہ خواجہ صاحب پر یہ فرق ظاہر کردیتا۔

ہم نے سطور بالا میں یہ کہا ہے کہ مشرکانہ مذاہب کا امتیازی نشان ان کا خونیں بپتسمہ تھا ہمارے ناظرین سن کر حیران ہونگے کہ اگرچہ دورحاضرہ میں کلیسیائی واعظین اور مبشرین بعض اوقات ایسے فقرات استعمال کرتے ہیں مثلاً ہم " مسیح کے خون سے چھڑکے گئے ہیں " لیکن مقدس پولوس کی تحریرات میں ایسے فقرات اور خونیں اصطباغ کا نشان تک ہم کو نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اپنے خطوط میں اپنے بھائی اور اپنی قوم اہل یہود کی خونیں قربانیوں کی اصطلاحات کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا حالانکہ اگروہ چاہتا توان اصطلاحات کا استعمال کرسکتا تھا جس طرح عبرانیوں کے خط کے مصنف نے کیا ہے۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ مشرکانہ مذاہب کے خیال کے مطابق جیسا ابھی ذکر کریا گیا ہے بپتسمہ کا اثر اعجاز کی قسم سے تھا اور مادی خیالات سے وابستہ[21] تھا ان کا خیال تھا کہ مجرد سانڈ کے غسل سے اعجازی طور پر پاکیزگی حاصل ہوتی ہے لیکن پولوس رسول کا یہ ہرگز خیال نہ تھا کہ بپتسمہ سے اعجازی طور پر پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک بپتسمہ نہیں بلکہ صلیب کا پیغام پرتاثیر شے ہے چنانچہ وہ فرماتاہے " مسیح نے مجھے بپتسمہ دینے کو نہیں بھیجا بلکہ انجیل سنانے کو اور وہ بھی کلام کی حکمت سے نہیں تا کہ مسیح کی صلیب بے تاثیر نہ ہو"۔۔۔ صلیب کا پیغام نجات پانے والوں کے نزدیک خدا کی قدرت ہے " (۱کرنتھیوں ۱: ۱۷تا ۱۸)۔بپتسمہ اور دیگر رسوم پر پولوس رسول اپنے ہادی اور منجئی کی تقلید میں (یوحنا ۴: ۲) بالکل زور نہیں دیتا چنانچہ یہ امر قابل غورہے کہ رومیوں کے خط میں جہاں وہ اپنے مسیحی اصول کو شرح اور بسط کے ساتھ پیش کرتا ہے وہ بپتسمہ کا صرف ایک دفعہ ذکر کرتا ہے۔ اور عشائے ربانی کی رسم کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی تحریرات سے صاف ظاہر ہے کہ ظاہری پانی کی بجائے وہ روحانی امور پر زوردیتا ہے اور اپنے نومریدوں کو کہتا ہے کہ " جس میں مسیح کا روح نہیں وہ اس کا نہیں "(رومیوں ۸: ۹)اس تجربہ کو وہ باربار مسیحی کی کسوٹی قرار دیتا ہے اوراپنی تمام تحریرات میں صرف ایک جگہ اور وہ بھی اتفاقیہ طورپر بپتسمہ او رروح کو متعلق کرتا ہے (۱کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)لیکن بار بار وہ روح کو دیگر امور ایسے تجربوں کے ساتھ متعلق کرتا ہے (گلتیوں ۳: ۲، رومیوں ۱۰: ۱۷، افسیوں ۱: ۱۳۔ ۱کرنتھیوں ۲: ۴تا ۵۔ تھسلنیکیوں ۲: ۱۳وغیرہ) جنکا بپتسمہ کی رسم کے ساتھ کسی طرح کا بھی تعلق نہیں۔

معلوم نہیں کہ خواجہ صاحب کس بنا پر یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ یہ رسم مشرکانہ مذاہب اور خاص کر متھرا مذہب سے مسیحیت میں داخل ہوئی غالباً خواجہ صاحب کو اس امر کا علم نہیں کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ متھرانہ مذہب میں

[21] Cf.Rashdall, Idea of Atonement pp.204-5

بپتسمہ کی رسم سرسے رائج ہی نہیں تھی۔ چنانچہ کیومون کہتاہے کہ" درحقیقت غسل کی رسم متھرا کی عبادت کا جزو نہیں تھی[22]۔

(۲)

دوم۔ عشائے ربانی کی رسم

عشائے ربانی کی ابتدا

خواجہ صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ رسم بھی مشرکانہ مذاہب سے مسیحیت نے اخذ کی ہے۔ حالانکہ اگر خواجہ صاحب ان حالات پر غور فرماتے ہیں جن میں یہ رسم ادا ہوئی تو یہ خیال ان کے دل میں جاگزین نہ ہوتا۔

اہل یہود میں ہر سال عید فسح منائی جاتی تھی اوریہودی ہزاروں کی تعداد میں اس خوشی کے موقع پر یروشلیم آیا کرتے تھے۔ تاکہ باہم مل کر اس ربائی اور نجات کی یادگاری کریں جو خدا نے موسیٰ کے ذریعہ فرعون مصر کے ہاتھوں سے بخشی تھی۔ سیدنا مسیح بھی شاگردوں کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری ہفتہ میں اس موقعہ پر یروشلیم گئے تھے۔ اور وہاں ایک بالاخانہ میں اسرائیلی نجات کی یادگاری میں کھانا کھارہے تھے۔ اس موقعہ کھانے پر ایک کباب شدہ برہ ہوتا تھا جو کڑوی ترکاری کے ساتھ کھایا جاتا تھا نیز بے خمیری روٹی اور سرکہ کے ساتھ ملا ہوا پھل اور تازہ مے ہوتی تھی۔ خروج ۱۲: ۱۸) یہ تمام اشیاء پُرمعنی تھیں۔ برہ اس برہ کی یاد میں کھایا جاتا تھا جس کا خون مصر میں دروازوں پر چھڑکا گیا تھا تاکہ ملک الموت اس خون کے نشان کو دیکھ کر بنی اسرائیل کے

[22] Cumont, Quoted in Essays, Catholic and Critical, p.388 note.

پہلوٹھوں کو ہلاک نہ کرے۔ کڑوی ترکاری ان کو اس تلخ غلامی کی یاد دلائی جاتی تھی جس سے خداوند نے ان کو رہائی بخشی تھی۔ جب سیدنا مسیح ان اشیاء کو کھا کر گذشتہ زمانہ کی نجات کے عہد کی یاد کو تازہ کررہے تھے اس وقت آپ نے آئندہ نجات کے نئے عہد کی یادگاری کی رسم کی بنا اس طرح ڈالی کہ آپ نے روٹی لی اور شکر کرکے توڑی اوراپنے شاگردوں کو دے کر فرمایالو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے لئے دیا جاتا ہے۔ میری یادگاری میں یہ کیا کرو اسی طرح کھانے کے بعد آپ نے پیالہ کولیا اور شکر کرکے ان کو دیا اور فرمایا تم سب اس میں سے پیو کیونکہ نئے عہد کا یہ میرا لہو ہے جو تمہارے اور بہتوں کے گناہوں کی مغفرت کے لئے بہایا جاتا ہے۔ جب کبھی اسے پیو میری یادگاری میں یہ کیا کرو(متی ۲۶: ۲۶تا ۲۹، مرقس ۲۶: ۲۲تا ۲۵۔ لوقا ۲۲: ۱۹تا ۲۰۔ ۱کرنتھیوں ۱۱: ۲۳تا۲۶)۔

اس رسم کو مسیح نے شروع کیا

اب خواجہ صاحب ہی ہم کو بتائیں کہ شماسیت اورمشرکانہ عناصر کا یہاں کیا تعلق ہے انجیل جلیل صاف طور پر ہم کو بتارہی ہے کہ سیدنا مسیح نے "پرانے عہد" کی اور گذشتہ نجات کی جگہ آئندہ نجات کی اور محدود مخلصی کی جگہ عالمگیر مخلصی کی یادگار قائم کی۔لفظ "عشائے ربانی" خود اس بات کا شاہد ہے کہ یہ رسم خداوند کی عشا کی یادگاری ہے۔ اس کا دوسرانام" برکت کاپیالہ"(۱کرنتھیوں ۱۰: ۱۶)ہمیں بتاتا ہے کہ یہ الفاظ یہودیت سے اخذ کئے گئے ہیں کیونکہ یہ اس پیالہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں سے لوگ فسح کے کھانے پر پیتے تھے پس صاف ثابت ہوگیا کہ سیدنا مسیح نے بپتسمہ کی طرح یہ رسم بھی یہودیت سے ہی لی تھی۔ کلیسیا میں شامل ہونے کی رسم کو اختیار کرنے

کے وقت خداوند نے ایک خونیں رسم یعنی ختنہ کو مٹادیا تھا اور صرف بپتسمہ کو اختیار کیا تھا۔ اسی طرح اس رسم کو اختیار کرتے وقت خداوند نے خونیں حصہ یعنی برہ کو کباب کرنے کی رسم کو چھوڑ دیا اور تازہ مے کے حصہ کی یادگاری کو برقرار رکھنے کے لئے اختیار کرلیا اور دونوں رسموں کے دردناک اور خونیں حصص کو ترک کردیا۔ جس طرح بپتسمہ کی رسم کو اختیار کرکے اس میں بلند اور عالی مفہوم بھردیا تھا(یوحنا ۳ باب)اسی طرح خداوند نے اس رسم کو بھی یہودیت سے اختیار کرکے اس میں بلند اور اعلیٰ مطالب بھردئیے (یوحنا ۶ باب)۔

پس حقیقت ہم نے ظاہر کردی ہے کہ سیدنا مسیح نے پرانے عہد نامہ کی بجائے اپنا "نیاعہد" قائم کیا۔ اور کہ یہ رسم اہل یہود کی عید فسح پر ڈھالی گئی تھی۔ اگر خواجہ صاحب عہد عتیق کی کتب کا مطالعہ کریں تو ان پر واضح ہوجائیگا کہ اہل یہود کے ذہن میں یہ کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کہ قربانی کرتے وقت وہ خدا کو کھاتے ہیں۔ اور کہ اعجازی طور پر ان قربانیوں سے ان کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ خیال یہودی مذہب سے کوسوں دُور ہے ۔ اور چونکہ عشائے ربانی کی رسم اہل یہود میں ہی شروع ہوئی تھی اس رسم کے بانی یعنی مسیح اور اس کے شاگردوں کے خواب وخیال میں بھی یہ مشرکانہ بات نہ آئی تھی جس سے خواجہ صاحب کی کتاب بھری پڑی ہے۔

پولوس رسول اور عشائے ربانی کی رسم

خواجہ صاحب پولوس رسول پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے متھرا کے مذہب سے عشائے ربانی کی رسم اخذ کرکے مسیحیت میں داخل کردی۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پولوس رسول کی تحریرات سے قطعی ناواقف ہیں۔ اگر وہ کرنتھیوں کے نام کے پہلے خط کو پڑھنے کی زحمت گوارا کرلیتے تو اس نتیجہ پر ہرگز نہ پہنچتے یہ سچ ہے کہ غالباً مشرکانہ مذاہب میں اس رسم کی مانند ایک رسم جاری تھی ۔ یہ بھی غالباً حق ہے کہ پولوس رسول اس سے واقف تھا لیکن جیسا ہم دکھا چکے ہیں ۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ پولوس رسول نے اس رسم کو مشرکانہ مذہب سے لے کر مسیحیت میں داخل کردیا۔ وہ خود اقرار کرتاہے کہ اس نے اس رسم کو کلیسیا سے قبول کیا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے " یہ بات خداوند سے مجھے پہنچی اور میں نے تم کو بھی پہنچادی ------الخ" (۱کرنتھیوں ۱۱: ۲۳تا ۲۶) ڈاکٹر بیکن جیسا نقاد (جس کے بعض نتائج سے ہمیں اختلاف ہے) اس کو مانتا ہے کہ بپتسمہ اور عشائے ربانی کی رسم ابتدا ہی سے کلیسیا میں رائج تھیں اور خود مسیح نے ان کو مقرر کیا تھا[23]۔ اسی طرح ایحوزن جیسا انتہا پسند شخص بھی اس بات کو قبول کرتا ہے کہ یہ رسم پولوس نے جاری نہیں کی تھی بلکہ مسیح نے جاری کی تھی[24]۔ پس جب یہ رسم کلیسیا میں پولوس رسول کے مسیحی ہونے سے پیشتر جاری تھی وہ اس کو کلیسیا میں مشرکانہ مذاہب سے ماخوذ کرکے کس طرح داخل کرسکتا تھا۔علاوہ ازیں مشرکانہ رسم کو وہ شیطانی رسم خیال کرتا ہے۔(۱کرنتھیوں ۱۰: ۱۴تا ۲۲)اورکہتا ہے کہ " جو قربانی غیر قومیں کرتی ہیں شیاطین کے لئے قربانی کرتی ہیں نہ کہ خدا کے لئے" اور مسیحیوں کو اس شیطانی رسم کے خلاف خبردار کرتا اورکہتا ہے کہ " میں نہیں چاہتا کہ تم شیاطین کے شریک ہو۔ تم خداوند کے پیالے اور شیاطین کے پیالے دونوں میں سے نہیں پی سکتے۔خداوند کے دسترخوان اور شیاطین کے دسترخوان دونوں پر شریک نہیں ہوسکتے"۔ یہاں پولوس رسول شیاطین کے لئے بعینہ وہی لفظ

[23] Bacon, Jesus and Paul, pp.7, 9, 59, 107, etc.
[24] Eichorn, quoted in St.Paul and Mystery Religions.p.274.

استعمال کرتا ہے جو استثنا ۳۲: ۱۷ میں وارد ہوا ہے۔" انہوں نے شیاطین کے لئے قربانیاں گذرانیں وغیرہ" رسول مقبول مشرکین سے کہتا ہے کہ" یا ایھا الکافرون لا عبدما تعبدون" اوراپنے مریدوں سے کہتا ہے" جو کوئی نامناسب طورپر خداوند کی کی روٹی کھائے یا اس کے پیالے میں سے پیئے وہ خداوند کے بدن اور خون کے بارے میں قصوروار ہوگا"۔

پس ظاہر ہے کہ پولوس رسول نے اس رسم کو مشرکانہ مذاہب سے اختیار نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس وہ یہودیت ہی میں عشائے ربانی کی رسم کی تشبیہ اور تصور دیکھتا ہے اوراہلِ کرنتھ کو کہتا ہے کہ" اے بھائیوں میں تمہارا اس سے ناواقف رہنا نہیں چاہتا کہ ہمارے سب باپ دادا نے۔۔۔۔ ایک ہی روحانی خوراک کھائی اورسب نے ایک ہی روحانی پانی پیا کیونکہ وہ اس روحانی چٹان میں سے پانی پیتے تھے جوان کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ اور وہ چٹان مسیح تھا" (۱کرنتھیوں ۱۰: ۱تا ۴)مزید براں جیسا ڈاکٹر بیکن کہتاہے " پولوس کہتا ہے کہ جب کبھی تم یہ روٹی کھاتے اوراس پیالے میں سے پیتے ہو تم خداوند کی موت کا اظہار کرتے ہو جب تک وہ نہ آئے یہاں وہ یہودی خیال اس کے ذہن میں تھا کہ عید فسح مصر کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا اظہار ہے۔اگر اس کے ذھن میں مشرکانہ مذاہب کا خیال ہوتا تووہ یوں کہتا کہ تم اس ڈراما کی نقل کرتے ہو[25]۔آبائے کلیسیائے بھی عہد عتیق ہی کے مختلف واقعات میں اس رسم کی پیش خبری دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جسٹن شہید وغیرہ نے بھی اس کو محض ایک شیطانی نقل قرار دیا تھا۔ کیونکہ آبائے کلیسیا کا یہ قول تھا کہ" جو کوئی اس گوشت میں سے کھاتا ہے جو دیوتا کے آگے قربان ہوچکا ہے وہ شیاطین کا مہمان ہوچکا اوراس کی رفاقت شیاطین ساتھ ہوگئی[26]۔

ایک اور امر ہم ناظرین پر ظاہر کردینا چاہتے ہیں کہ مندرجہ بالاآیات میں پولوس رسول فرماتا ہے کہ" جب کبھی تم یہ روٹی کھاتے اور اس پیالہ سے پیتے ہو تو خداوند کی موت کا اظہار کرتے ہو" یعنی روٹی اورمے بذات خود مسیح کے گوشت اور خون کا اظہار نہیں بلکہ اس جسم کااظہار کرتے ہیں جوصلیب پر شہید کیا گیا تھا۔ پس مسیح کے خون اور گوشت کے ساتھ رفاقت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح مصلوب کےساتھ رفاقت رکھی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول کھیں بھی مسیح کے" گوشت کو کھانے" اور" خون کو پینے" کا ذکر نہیں کرتا[27] پس مشرکانہ رسوم کا پولوس رسول کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعلق نہیں۔ رسول مقبول فرماتاہے" راستبازی اوربے دینی میں کیا میل جول یا روشنی اورتاریکی میں کیا موافقت۔ مسیح کو بلیعال کے ساتھ کیا موافقت۔ یا ایماندار کوبے ایمان سے کیا واسطہ خدا کے مقدس کو بتوں کے ساتھ کیا مناسبت ہے" کیا یہ ہوسکتاہے کہ ایک طرف رسول مقبول اپنے مریدوں کو یہ کہے کہ یہ شیطانی باتیں ہیں اور دوسری طرف اپنے مریدوں کو یہ کہے کہ یہ شیطانی باتیں اختیار کرکے ان کو اپنے مذہب کا جزو جانو۔ کیا یہ بات قرین قیاس ہوسکتی ہے کہ مقدس پولوس جو مسیحیت میں یہودی عناصر کے داخل ہونے کا دشمن تھا وہ بڑی خوشی سے مسیحیت میں مشرکانہ عناصر کو نہ صرف داخل ہونے دیتا بلکہ خود داخل کردیتا۔مزید براں کیا یہ قرین قیاس ہے کہ وہ مسیحی جو غیر اقوام پر شریعت

[25] Bacon, Jesus and Paul.p.9

[26] Recognition’s. ii.71.
[27] Kennedy St.Paul and Mystery Religions.p.270.

کے حاوی نہ ہونے کے باعث پولوس رسول کے سخت مخالف تھے وہ جب پولوس رسول کو مسیحیت میں مشرکانہ عناصر داخل کرتے دیکھتے تو چپکے بیٹھے رہتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کی زبردست صدائے احتجاج کی گونج ہم کو عہد جدید کی کتب میں ضرور ملتی لیکن وہ مسیحی خاموش ہیں۔ تعجب ہے کہ پطرس جیسا شخص جو اورباتوں میں پولوس کے خلاف ہے دیکھ رہا ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے پولوس اس کے پیارے مسیح کی تعلیم بگاڑ رہا ہے۔ لیکن وہ نہ صرف خاموش بیٹھا دیکھتا ہے ۔ بلکہ ہمدوش ہوکر کام کرتا ہے (گلتیوں ۲: ۹) ان دونوں میں ایمان کی اساس کے متعلق کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے (گلتیوں ۲: ۱-۱۶-۱کرنتھیوں ۱۵: ۳، ۱۱) یروشلیم کے دیگررسول بھی اس کو ملامت نہیں کرتے (گلتیوں ۲: ۷تا ۹) پس ظاہر ہے کہ پولوس رسول کے خواب وخیال میں نہ تھا کہ مشرکانہ عناصر کو مسیحیت میں داخل کرے پروفیسر گارڈنر جیسا شخص بھی یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ " جب کبھی پولوس ان کا(یعنی مشرکانہ رسوم کا)ذکر کرتاہے تونہایت نفرت اورہتک آمیز کلمات اس کے منہ سے نکلتے ہیں۔ یہ ایک ایسا کھیت تھا جس میں اگر بیش قیمت موتی بھی ہوتے تووہ اس کو نہ کھودتا[28]۔ یہی صاحب ایک اورجگہ لکھتے ہیں کہ " چند سال ہوئے میں نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں عشائے ربانی کی پولوسی رسم کو ایلیوسس کے مشرکانہ مذہب کی طرف منسوب کیا تھا۔چونکہ بہت اشخاص یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ میں اب تک اس نظریہ کا قایل ہوں لہذا میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس مضمون میں جوکچھ اس بات کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ وہ اب میں غلط سمجھتا

[28] P. Gardner, Religions Experience of St.Paul p.80.

ہوں[29] "۔ ہمیں امید کرنی چاہیے کہ حضرت خواجہ صاحب قریب زمانہ میں یہی الفاظ اپنی کتاب ینابیع المسیحیت کے متعلق کہیں گے۔

ع ایں دعاازمن وازجملہ جہاں آمین باد۔

مشرکانہ اور مسیحی رسوم میں فرق

ہم نے باب اول میں یہ لکھا ہے کہ مشرکانہ مذاہب میں غالباً عشائے ربانی کی طرح ایک رسم موجود تھی لیکن اس مشرکانہ رسم میں وہ اشیاکھائی اورپی نہیں جاتی تھیں جو مسیحی رسم میں کھائی اورپی جاتی ہیں۔مشرکانہ مذاہب میں متبرک خوراک قربانی کا گوشت ہوتا تھا مسیحی رسم میں اس بات کا ہمیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ جب ہم پولوس رسول کی تعلیم وعشائے ربانی (۱کرنتھیوں ۱۱: ۱۷تا ۳۴) کا مقابلہ مشرکانہ مذاہب کی رسم کے ساتھ کرتے ہیں توچند نہایت اہم باتوں میں دونوں رسوم کو مختلف پاتے ہیں۔ مثلاً پولوس رسول کہتا ہے کہ " جب کبھی تم یہ روٹی کھاتے اورپیالے میں سے پیتے ہو تو سیدنا مسیح کی موت کا اظہار کرتے ہو۔ جب تک وہ نہ آئے (آیت ۲۶)پس سیدنا مسیح کی دوسری آمد کا خیال پولوس کی تعلیم میں ہم کو ملتاہے لیکن مشرکین اپنے کسی دیوتا یا معبود کی آمد کے منتظر نہیں تھے ۔پھر پولوس رسول کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ پرستار اشیاء خوردنی کو اپنے ہمراہ لایا کرتے تھے لیکن عبادتخانہ میں پروہت اشیائے خوردنی کو بہم پہنچاتا تھا اور پرستاروں میں تقسیم کیا کرتا تھا۔

[29] Ibid.p.110.note.

ڈایونیسیس کے مشرکانہ مذہب میں پرستار شراب پی کر متوالے ہوجاتے تھے ۔ کیونکہ ارفک رسم (Orphic) کے مطابق دیوتا انگور کے خون (شراب) میں رہتا تھا شراب کے ذریعہ پرستاروں کے جسم میں داخل ہوتا تھا ۔ مقدس پولوس اسی عقیدہ اور رسم کی طرف اشارہ[30] کرکے فرماتے ہیں ۔ کہ " شراب میں متوالے نہ بنو کیونکہ اس سے بدچلنی پیدا ہوتی ہے " اور اس کے خلاف اپنے مسیحیوں کو فرماتے ہیں کہ " روح سے معمور ہوتے جاؤ"(افسیوں ۵: ۱۸)مذاہب اسرار کی پاک رسوم میں دشنام دہی بدزبانی اور فحش مذاقیہ گفتگو بھی ان کے رسوم کا ایک حصہ تھیں۔ لیکن مسیحیت کا ان لغو اور مخرب اخلاق رسوم سے کسی طرح کاواسطہ نہیں تھا[31]۔

علاوہ ازیں مشرکانہ مذاہب کے پیرو اس رسم کے متعلق ایسے خیال رکھتے تھے ۔ جن کو مسیحیت کبھی گوارا نہیں کرسکتی۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح خوراک کے کھانے سے طاقت حاصل ہوتی ہے اسی طرح متبرک خوراک کے کھانے سے پاکیزگی اور دانش ملتی[32] ہے۔ یہ مادی نظریہ کہ مجرد متبرک خوراک کے کھانے سے اعجازی طور پر الہیانہ اوصاف اور زندگی ملتی ہے مشرکانہ مذاہب کا جزو لاینفک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ڈایونیسیس کے مذہب کے پیرو بیل بکری پر(جسے وہ اپنے دیوتا کا تجسم خیال کرتے تھے) ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور اس کا گوشت کچا ہی کھا[33] جاتے تھے اور یوں اپنے دیوتا کے ساتھ یگانگت حاصل کرتے تھے۔ اور آرنوبیس کہتا ہے کہ" اس واسطے کہ تم میں میری پوری عظمت

[30] Frazer.Golden Bough p.394-5
[31] Griffith. St. Paul's Life of Christ.p.175.
[32] Frazer, Golden Bough.pp.494.99
[33] Ibid.p.390.

اور الوہیت ظاہر ہو۔ تم خون بھرے لبوں سے ممیاتی ہوتی بکریوں کے گوشت کا ٹو[34]۔ اب خواجہ صاحب ہی فرمائیں کہ ان بیہودہ رسوم کے بارے میں اعجازی اورمادی خیالات رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب محض اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کی غرض سے ان خیالات کو مسیحی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عشائے ربانی کی نسبت فرماتے ہیں"۔ خود عشائے ربانی کے مسئلہ کو دیکھا جائے۔اس کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ جس وقت ایک پرستار صدق دل اور صحیح اعتقاد سے شراب کا ایک قطرہ اور روٹی کا ایک ٹکڑا جسے باپ بیٹے کے نام پر تقدیس دی گئی ہے حلق سے اتارتا ہے تو مسیح میں اوراس میں ایک قسم کی وحدت پیدا ہوجاتی ہے۔۔۔۔ بات تو واقعی اعجاز کی ہے اور عیسائی عقیدہ بھی یہی ہے کہ یہ ہولی کمیونین کی رسم جو خون مسیح کی یاد میں ہر اتوار کو گرجوں میں منائی جاتی ہے اعجازاً(انسانی)فطرت میں تبدیلی پیدا کردیتی ہے"۔صفحہ ۱۳۹ یہ عقیدہ مشرکانہ مذاہب کی نسبت تو صحیح[35] ہے ۔لیکن مسیحیت کی نسبت سراسر غلط ہے۔ ہم خواجہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ وہ کونسی مستند کتاب کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرسکتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں اپنی کتاب کے شروع میں اپنی نیک نیتی کا یقین نہ دلایا ہوتا تو ایسی باتیں ہمیں ضرور ان کی نیت کے بارے میں میں شبہ میں ڈال دیتیں۔ خلوص نیت کے دعویٰ کے باوجود خواجہ صاحب نے الفاظ" ہولی کمیونین" کا ترجمہ "مقدس اتحاد بالذات کردیا ہے۔ اور یہ غلط ترجمہ دیدہ ودانستہ آپ نے اس لئے کیا ہے کہ آپ کے غلط

[34] Encyclopedia of Religion and Ethics: vol.Xp.899.
[35] Kennedy, St.Paul and Mystery Religions pp.205.

نظریہ کو یہ سہارا مل جائے۔ ۔"ہولی کمیونین" کا لفظی اور صحیح ترجمہ" پاک رفاقت ہے"اوریہی ترجمہ کتاب الصلواۃ میں کیا گیاہے۔

خیر۔ ہم خواجہ صاحب کی نیک نیتی کا یقین کرلیتے ہیں اور آپ کے خیالات کو آپ کی عدم واقفیت کا نتیجہ ہی سمجھ لیتے ہیں اور ناظرین پر واضح کردیتے ہیں کہ مسیحیت کا ایسے اعجازی اور مادی خیالات سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ کرنتھیوں کے پہلے خط کے ۱۱ ویں باب کا مطالعہ اس اعجازی نظریہ کو محقق کے ذہن سے نکال دیتا ہے۔ عشائے ربانی لیتے وقت ہم اپنے منجی کو مبارک موت اور اذیت کی یادگاری کرتے ہیں اوراس کے دکھوں پر دھیان کرکے ہم گذشتہ گناہوں سے سچی توبہ کرتے ہیں اور نئی چال چلنے کا مضبوط ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ہماری روحیں مسیح کے بدن کے توڑنے اوراس کے خون کے بہائے جانے پر غور کرکے روحانی تقویت اور تازگی حاصل کریں۔ اور یوں ہم مسیح کی موت کے سبب اوراس کے خون پر ایمان رکھنے کے باعث اپنے گناہوں کی مغفرت اوراس کے دکھ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور مسیح کے فضل اور آسمانی برکت سے مستفیض ہوتے ہیں۔ سطور بالاکے یہ الفاظ ہم نے لفظ بلفظ" کتاب الصلواۃ" سے اخذ کئے ہیں۔

انہیں روحانی حقائق کی طرف قرآن شریف سورہ مائدہ میں اشارہ کرتاہے ۔ ہم ناظرین کی خاطر قرآنی عبارت اورانجیلی عبارت لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ ناظرین مقابلہ کرکے دیکھ سکیں کہ کس خوش اسلوبی سے قرآن عشائے ربانی کی نسبت انجیل جلیل کا مصداق ہے۔

انجیل	قرآن
"چنانچہ لکھاہے کہ اس نے انہیں کھانے کے لئے آسمان سے روٹی دی یسوع ان سے کہا ۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ موسیٰ نے تووہ روٹی تمہیں آسمان سے نہ دی لیکن میرا باپ تمہیں آسمان سے حقیقی روٹی دیتا ہے کیونکہ خدا کی روٹی وہ ہے جو آسمان سے اتر کر زندگی بخشتی ہے انہوں نے اس سے کہا کہ اے مولا یہ روٹی ہم کو ہمیشہ دیا کریں۔ سیدنا مسیح نے ان سے فرمایا زندگی کی روٹی میں ہوں جو میرے پاس آئے ہرگز بھوکا نہ ہوگا۔(یوحنا ۶: ۳۲تا ۳۶)۔ سیدنا مسیح نے روٹی لی -----۔ اورکہا میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو۔ جب کبھی تم یہ روٹی کھاتے اوراس پیالے میں سے پیتے ہو تو خداوند کی موت کااظہار کرتے ہو جب تک وہ نہ آئے۔ جوکھاتے پیتے وقت سیدنا مسیح کے بدن کو نہ پہچانے وہ اس کھانے	جب حواریوں نے درخواست کی کہ اے عیسیٰ ابن مریم تیرے پروردگار سے ہوسکیگا کہ ہم پر آسمان سے روٹی اتارے عیسیٰ نے کہا کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرووہ بولے ہم چاہتے ہیں کہ تبرک سمجھ کر اس روٹی میں سے کچھ کھائیں اورہمارے دلوں میں اطمینان ہو عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ ہم پر آسمان سے روٹی اتار اور روٹی کا اترنا ہمارے لئے یعنی ہمارے اگلوں پچھلوں سب کے لئے عید قرار پائے اور یہ تیری طرف سے ہمارے حق میں تیری قدرت کی ایک) نشانی ہواللہ نے فرمایا ہم وہ روٹی تم پر نازل کرینگے۔ لیکن جو شخص پھر بھی تم میں انکار کرتارہیگا توہم اس کو ایسے سخت عذاب کی سزا دینگے کہ دنیا --- میں کسی کو بھی ویسی سزا نہیں دینگے۔" (سورہ مائدہ آیات ۱۱۲ تا ۱۱۸)۔

سے سزا پائیگا۔(۱کرنتھیوں ۱۱: ۲۳تا ۲۹)۔	

مرقس ۱۴: ۱۲تا۱۶۔لوقا ۲۲: ۷تا۲۰۔متی ۲۶: ۲۶تا ۳۹۔

ناظرین کس صفائی سے قرآن عشائے ربانی کے انجیلی مطالب کو پیش کررہا ہے قرآن بتارہا ہے کہ مسیح نے یہ روٹی کی عید مقرر کی۔ حافظ نذیر احمد اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں کہتے ہیں کہ " عید لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو وقت معلوم میں عود کرے " یا انجیلی الفاظ میں " میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" اب خواجہ صاحب ہم کو بتلائیں کہ کیا مشرکانہ عناصر قرآن میں بھی گھس گئے جو وہ ہمیں اس پاک شراکت کی عید کی نسبت بتاتا ہے اور انجیلی حقائق کو اپنے الفاظ میں دہراتا ہے۔

مشرکانہ مذاہب کے ماخذ مابعد کی صدیوں کے ہیں

خواجہ صاحب کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ مشرکانہ مذاہب کے جاننے کے ماخذ دوسری یا تیسری صدی مسیحی کے ہیں ۔ لہذا ہم ان سے انکی پہلی صدی مسیحی کی حالت کو معلوم کرنے کے لئے استدلال نہیں کرسکتے۔ بالخصوص متھرا مذہب کے متعلق یہ نتیجہ اخذ کرنا مغالطہ میں پڑتا ہے ۔ کیونکہ پولوس رسول کی زندگی میں اس مذہب کا یورپ میں علم نہیں تھا اور نہ اس نے یونانی بولنے والے ملکوں میں تاہنوز جڑپکڑی تھی [36]۔ ڈاکٹر شوئیٹزر جیسا مستند عالم بھی یہی کہتاہے کہ پولوس رسول ان مشرکانہ مذاہب سے اس طرح واقف

[36] Williams Origin of Sacraments. In Essays Cahtolic and Criticle p.393

نہیں تھا جس طرح ہم ان سے واقف ہیں۔ کیونکہ وہ اس زمانہ میں اپنی موجودہ شکل میں وجود نہیں رکھتے تھے [37]۔

مشرکانہ رسوم سے ہم مسیحی رسوم کی نسبت نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے

ہم حضرت خواجہ صاحب کو دوبارہ یاددلاتے ہیں کہ مشرکانہ مذاہب کے سرائر کی بابت ہمارے پاس اتنا ذخیرہ موجود نہیں کہ اس کی بنا پر ہم دلیری سے جرات کرکے وہ نتائج اخذ کرسکیں جو آپ نے کئے ہیں۔ ان مذاہب کے اہل حلقہ کی سوگند کی وجہ سے ہم ان سرائر کے حالات سے کماحقہ طورپر واقف نہیں ہیں لہذا ایک محقق کو اس معاملہ میں نہایت خرم واحتیاط سے کام لینا ہوگا۔ پس ہم مسیحی رسوم اوران رسوم کی ظاہری مشابہت سے استدلال کرکے صرف غیر معین طورپر ہی کہہ سکتے ہیں کہ مشرکانہ مذاہب کی رسوم کا بھی معبود کے ساتھ اتحاد اور یگانگت کے رشتہ کو پیدا کرنا ہی ہوگا[38] چہ جائیکہ ہم کو یہ کہیں کہ مسیحی رسوم جن کی بابت ہمارے پاس کافی سے زیادہ ذخیرہ موجود ہے ان سرائر سے ماخوذ ہیں جن کی بابت ہم کچھ نہیں جانتے۔ علم منطق ہم کو ایک معلوم شے سے غیر معلوم کی نسبت استدلال کرنے کی اجازت تو دیتا ہے لیکن غیر معلوم شے سے معلوم کی نسبت استدلال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ علماء نے اس خیال کو جس کی آپ وکالت کررہے ہیں ترک کردیاہے۔ چنانچہ ڈاکٹر جے ۔ اے میکلخ فرماتے ہیں کہ " جب

[37] Quoted by Kennedy in St. Paul and Mystery Religions p.70
[38] Encyclopedia of Religion and Ethics: Vol.X. p.902

ہم اس بات کوملحوظ خاطر رکھتے ہیں کہ ہم ان متبرک رسوم کی نسبت بہت کم جانتے ہیں ۔ تو یہ امر مضحکہ خیز ہوجاتا ہے کہ چند مصنفین نہ صرف ان رسوم کو مسیحی رسوم کے مشابہ خیال کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ " وہ مسیحی رسوم کی ماخذ[39] ہیں۔ جس بات کو مغرب کے علماء " مضحکہ خیز" کہتے ہیں انہی کو خواجہ صاحب ہماری قبولیت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ جہاں خواجہ صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ" یہی عشائے ربانی کی رسم مسیح سے ہزاروں برس پہلے من وعن اس طریق پر اسی شکل میں محترا کے خون کی یاد میں منائی جاتی تھی"۔ صفحہ ۱۳۹ وہاں بعض قابل مصنفین ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ" اغلب ہے کہ محترا کی رسم مسیحی رسم کی نقل میں اختیار کی گئی تھی"۔ بپتسمہ کی بابت بھی ڈاکٹر مذکور کی یہی رائے ہے[40]۔ اگر یہ صحیح ہے تو جس کو جناب خواجہ صاحب بپتسمہ اور عشائے ربانی کے ماخذ قرار دیتے ہیں۔ وہی درحقیقت ماخوذ ثابت ہونگے۔

تاریخی واقعات کی بناپر اہم سے اہم نتیجہ جو خواجہ صاحب اخذ کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ مشرکانہ مذاہب اور مسیحیت میں چند رسوم ایسی تھیں جو ایک دوسرے سے مشابہ تھیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مقدس پولوس اور دیگرآبائے کلیسیا نے اس مشابہت کا ذکر کیاہے جیسا آپ نے خود اپنے رسالہ میں (صفحہ ۸۳) پر تحریر کیاہے ۔ان بزرگوں نے مشرکانہ رسوم کو " شیطانی نقل" قرار دیا ۔ چونکہ "نقل " کسی اصل کی جاتی ہے لہذا آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آبائے کلیسیا کا بھی وہی خیال تھا جو دورحاضرہ میں ڈاکٹر میکلخ اور دیگر علماء کا ہے کہ مشرکانہ مذاہب کی رسوم مسیحیت سے اخذ کی گئی تھیں۔

رسوم کی مماثلت اور علم نفسیات

ہم نے سطور بالا میں کہاہے کہ زیادہ سے زیادہ خواجہ صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ چند رسوم ایسی تھیں جو دونوں مذاہب میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی تھیں لیکن اس سے خواجہ صاحب کس طرح یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ مسیحیت نے یہ رسوم مشرکانہ مذہب سے ماخوذ کی تھیں۔ اگر حضرت خواجہ صاحب علم نفسیات اور علم مقابلہ مذاہب سے واقف ہوتے تو وہ اس مغالطہ میں نہ پڑتے۔ نفسیات کامطالعہ ان پر ظاہر کردیتا ہے کہ رسوم انسانی طبائع کے خیالات اوربیرونی حالات کا مظہر ہوتی ہیں۔ پس اگر مختلف ممالک کے لوگوں کے خیالات اور بیرونی حالات یکساں ہونگے ۔ توان کی رسوم بھی یکساں ہونگی خواہ وہ ان کے قریب ہوں خواہ ہزاروں کوس کے فاصلے پر رہتے ہوں۔ پس رسوم کے یکساں ہونے سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ان ممالک کے لوگوں نے ایک دوسرے سے رسوم کو اخذ کیا ہے۔اوراگر خواجہ صاحب ڈاکٹر فریزر، جیونز، رابرٹس اسمتھ کرالی[41] وغیرہ کی کتب کا مطالعہ کرتے یاڈاکٹر فریزر کی کتاب سے(جس کا حوالہ انہوں نے بعض جگہ اپنے رسالہ میں دوسری کتابوں سے اخذ کرکے دیا ہے)آشنا بھی ہوتے تو وہ ہرگز اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اس کی کتاب"سنہری شاخGolden Bough" آپ کو بتادیتی ہے کہ ہزاروں روایات قصہ جات اور رسوم ایسی ہیں جو یکساں ہیں اور جو مختلف ممالک میں

[39] J.A.MacDulloch, Art. Sacraments in Encyclopedia of Religion and Ethics:vol.Xp.902 See also Essays Catholic and Criticle.p.389

[40] Ibid. Art. Baptism.vol.11.p.374.

[41] Frazer,Jevons Robertson Smith, Crawly.

(جن کا ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعلق نہیں) پائی جاتی ہیں کیونکہ ان ممالک کے باشندوں کے خیالات اوران کے احوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں [42]۔ڈاکٹر برگورنے اپنی کتاب [43] کے دوسرے باب میں مشرکانہ مذاہب اور مسیحیت کی رسوم پر اس نقطہ نگاہ سے ایک نہایت دلچسپ اور پُرلطف تنقید بھی کی ہے۔ اگرچہ ہم اس باب کے تمام نتائج سے متفق نہیں توبھی خواجہ صاحب کی توجہ اس کی طرف پھیرتے ہیں۔

خواجہ صاحب کو یہ معلوم ہوگا کہ سائنس کے کسی شعبہ میں بھی یہ فرض نہیں کیا جاتا کہ دویکساں اثرات میں علت ومعلول کا تعلق ہوتا ہے۔ پس ہم خواجہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کیوں دائرہ مذہب میں خواہ مخواہ یہ فرض کرلیتے ہیں اور اس مفروضہ امر پر ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کرکے اپنے رسالہ کو لکھنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کیا یہ بناء فاسد علی الفاسد کا مصداق نہیں ہے۔سچ ہے۔

خشت اول چوں نہد معمارکج
تا ثر باق زور دیوارکج

فصل دوم

کلیسائی تیوہار

خواجہ کمال الدین نے اپنی کتاب" ینابیع المسیحیت" میں صرف تین مسیحی تیوہاروں اور عیدوں کا ذکر کیا ہے یعنی (۱)اتوار کا روز جس دن مسیحی بالعموم اکٹھے ہوکر عبادت کرتے ہیں(۲) کرسمس یعنی عید ولادت ، جس دن مسیحی اپنے نجات دہندہ کی پیدائش کی یادگاری کرتے ہیں، اور(۳)ایسٹر یعنی عید قیامت ، جس دن مسیحی اپنے خداوند کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی یادگاری کرتے ہیں۔ ان تینوں دنوں کی نسبت خواجہ کمال الدین صاحب فرماتے ہیں کہ " یہ بھی شماسیت اور آفتاب پرستی کا نتیجہ ہے "۔ اول تو جناب خواجہ صاحب کو ضرور علم ہوگا ۔ کہ مقررہ دن اور عیدین وغیرہ مسیحیت کا جزو نہیں ہیں۔ پھر نہ معلوم آپ نے ان کا ذکر" ینابیع المسیحیت" کے ذیل میں کیوں کیا ہے۔ کیونکہ اس عنوان سے تو یہی ظاہر ہوگا کہ یہ امور مسیحیت کا جزو لاینفک ہیں۔ حالانکہ جیسا مورخ سقراط کہتا ہے " منجی اوراس کے رسولوں نے دنوں کو ماننے کے لئے کوئی قواعد کبھی مقرر نہ فرمائے۔ اور نہ اس نے تیوہاروں کو ماننے کے لئے کبھی کوئی حکم صادر فرمایا۔ اور اگرہم نہ مانیں تو اس غفلت کے لئے انجیل نے کوئی سزا تجویز نہیں فرمائی جیسا موسیٰ کی شریعت نے فرمائی ہے۔رسولوں کا مقصد تیوہاروں کا مقرر کرنا نہیں تھا۔ بلکہ راستی اور صداقت کی تعلیم دینا تھا"۔

---

[42] Frazer, Golden Bough, pp.358, 386 etc.
[43] George Bergurer. Some Aspects of the life of Christ (Williams and Norgate).1923.

اتوار کی تاریخ۔ خواجہ کمال الدین صاحب اتوار کی نسبت فرماتے ہیں " دوسری طرف جوبات ان شماس طبیعت مسیحیوں نے مسیحی روایات کے خلاف لیکن شماسی روایات کی اتباع میں کی وہ سبت کے دن کی تبدیلی تھی۔ اپالوہی کا نہیں۔ ہرجگہ سورج کی پرستش کا دن اتوار تھا۔ یہ تواسی آفتاب پرستی کی رسم کو قائم رکھا گیاہے (صفحہ ۶۵، ۶۶) حضرت خواجہ صاحب نے یہاں بھی تحقیق سے کام نہیں لیا۔ اگر ان کے ماخذ مغربی ملاحدہ کی چند کتب" اور سگرٹ کی ڈبیاں" (صفحہ ۵۷) نہ ہوتیں تو وہ قدم قدم پر لغزش نہ کھاتے یہ دعویٰ ثابت کرتاہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے یہ مضمون غور اور مطالعہ کے بغیر لکھاہے۔ اگرآپ انجیل جلیل کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرماتے توآپ پر واضح ہوجاتا کہ سیدنا مسیح کی فتح یاب قیامت کے اتوار کو انجیل میں "ہفتہ کاپہلاروز" کہا گیا ہے۔ جب شاگرد اکٹھے جمع تھے (یوحنا ۲۰: ۱۹تا ۲۲) اور روح القدس کا نزول بھی ہفتہ کے پہلے دن ہی ہوا (اعمال ۲: ۱)چونکہ ہفتہ کے پہلے روز سیدنا مسیح مُردوں میں سے زندہ ہوا تھے اور روح القدس کا نزول بھی اسی دن ہوا تھا پس مسیحی ابتدا ہی سے "ہفتہ کے پہلے دن" جمع ہوکر عبادت کیا کرتے تھے۔ اعمال ۲۰: ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت ایک باقاعدہ رسم تھی کہ مسیحی اس خاص دن جمع ہوکر عبادت کیا کرتے تھے۔ ۱ کرنتھیوں ۱۶: ۲ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ مسیحی باقاعدہ ہر ہفتہ کے پہلے دن عبادت کیا کرتے تھے ۔ بت پرست رومی اس دن کو " سورج کا دن "کہتے تھے۔ لیکن یہودی ان الفاظ کو جن سے شرک اور بت پرستی کی بوآتی تھی مستعمل نہیں کرتے تھے ۔ لہذا وہ اس دن کو " ہفتہ کاپہلادن" کہتے تھے اور مسیحیوں نے انہیں سے یہ نام لیا۔لیکن محض تعداد مختلف دنوں میں تمیز کرنے کے لئے کافی ثابت نہ ہوئی۔ لہذا مسیحیوں نے اس خاص دن کے لئے ایک اور نام جوان کے خیال کے مطابق ان دونوں ناموں یعنی" سورج کا دن" اور "ہفتہ کاپہلا دن " سے زیادہ موزوں تھا تجویز کیا۔ ایشیائے کوچک میں مہینے کا پہلا دن "سلطان کا دن" کہلاتا تھا۔ پس مسیحیوں نے اپنے حقیقی سلطان کے نام پر اس دن کو معنون کرکے اس کا نام" خداوند کا دن" رکھ دیا۔ اور یہ نام انجیل جلیل میں بھی وارد ہوا ہے (مکاشفات ۱: ۱۰) ۱۹۱۰ء میں مقدس اگنیشیس اپنے ایک خط میں اس نام کا استعمال ایسے طور سے کرتا ہے جس سےمعلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قدیم نام تھا حتی کہ وہ اس نام کی بنا پر استدلال بھی کرتاہے۔ یہ نام ہم کو پہلی صدی کے آخری دس سال یعنی ۹۰ء سے بار بار کلیسیائی آبا کی تحریرات میں ملتا ہے اور جب سلطنت مسیحی ہوگئی تھی تو اگر خواجہ صاحب کا دعویٰ صحیح ہوتا تو اس دن کا نام" سورج کا دن" ہونا چاہیے تھا۔ لیکن برعکس اس کے مسیحی نام" خداوند کا دن" ہی تمام رومی سلطنت میں اورجہاں جہاں یونانی اور لاطینی زبانیں بولی جاتی تھیں رائج ہوا اور یہی نام صدیوں تک رائج رہا۔ اور لفظ" سورج کا دن" صرف یورپ کی شمالی اقوام[44] نے اختیار کیا اورانہیں اقوام میں سے ایک قوم یعنی انگریزوں کے لفظ "سنڈے" نے حضرت خواجہ کو دھوکادیا۔ اورانہوں نے خیال کرلیا کہ چونکہ لفظ" سنڈے" Sunday ہے لہذا مسیحی کلیسیانے یہ دن آفتاب پرستی کی رسم کوقائم کرنے کے لئے رکھاہے۔

اب خواجہ صاحب خود ہی غور فرماسکتے ہیں کہ جب تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسیحیوں نے اہل یہود کی تقلید میں رومی مشرکانہ نام کو کبھی استعمال نہ

---

[44]Encyclopedia of Religion and Ethics:vol.XII.p.104.

کیا اورانہوں نے اہل یہود کے نام کو بھی رد کردیا اوراس کی جگہ ایک نہایت موزوں نام تجویز کیا تو خواجہ صاحب کے دعویٰ کا کیا حشر ہوگا کہ" شماس طبیعت مسیحیوں نے مسیحی روایات کے خلاف لیکن شماسی روایات کی اتباع میں " اتوار کا دن" قائم کیا۔

پولوس رسول اور تہواروں کے دن۔ شاید خواجہ صاحب یہ خیال کریں کہ پولوس رسول نے اس دن کو بدل کے مسیحیت میں شماسی عناصر داخل کردئیے۔ لہذا ہم بتلادیتے ہیں کہ پولوس رسول ہر قسم کے مقررہ اوقات اور دنوں اور عیدوں کے خلاف تھا۔ وہ بار بار اپنے نومریدوں کو اس قسم کے دن کو ماننے کے خلاف تنبیہ کرتا رہتا تھا۔ مثال کے طور پر وہ رومیوں کواور کلیسیوں کو تحریر کرتے وقت ان باتوں کے خلاف اپنی صداقت احتجاج بلند کرتا ہے(رومیوں ۱۴: ۱۵، کلسیوں ۲: ۱۶) اور گلتیوں کو لکھتاہے کہ " تم دنوں، مہینوں اور مقرری وقتوں اور برسوں کومانتے ہومجھے تمہاری بابت ڈرہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو محنت میں نے تم پر کی ہے بے فائدہ جائے" (۴: ۱۰ تا ۱۱) پھر رسول فرماتا ہے کہ" جب تم مسیح کے ساتھ دینوی ابتدائی عناصر کی طرف سے مرگئے توپھر آدمیوں کے حکموں اور تعلیموں کے موافق ایسے قاعدوں کے کیوں پابند ہوتے ہوکہ اسے نہ چھونا۔اسے نہ چکھنا۔ اسے ہاتھ نہ لگانا(کلسیوں ۲: ۲۰) اس امر میں رسول مقبول اپنے ہادی اور منجی مسیح کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ کیونکہ مسیحیت اعلیٰ ترین روحانی اصول کی ہی جامع ہے۔ اور رسوم اور تیوہاروں عیدوں اور مقررہ دنوں کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ اتوار کے دن جمع ہوکر عبادت کرنا اور مسیح کی مبارک پیدائش اور فتح یاب قیامت کی یادگاری کرنا محض کلیسیائی انتظام ہے۔ چنانچہ بہتیرے مسیحی فرقے ان باتوں کو عمل میں نہیں لاتے ۔خواجہ صاحب کا ان امور کو مسیحیت کا جزو سمجھنا محض ان کی خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ پولوس رسول تو اپنے نومریدوں کو کہتا ہے کہ خبردار کہیں مقررہ اوقات کو مانتے مانتے مشرکانہ خیالات کی طرف نہ چلے جانا لیکن خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ" شماس طبیعت مسیحی شماسی روایات کی اتباع میں سورج کی پرستش کی طرف چلے گئے ہیں۔ نہیں صاحب وہ ہرگز " سورج کی پرستش " کی طرف نہیں گئے بلکہ جیسا" جسٹن شہید کہتا ہے کہ وہ " خداوند کے دن" دنیا کی خلقت اوراپنے منجی کی قیامت کی یادگاری کیا کرتے تھے اوراس کے ڈیڑھ سو سال بعد مقدس اتھاناسیس بھی یہی کہتا ہے کہ "ہم خداوند کے دن کے دوسری نئی خلقت کی ابتدا کی یادگاری کرتے ہیں"۔ مقدس جیروم اور مقدس آگسٹین اور دیگر آبائے کلیسیا بھی یہی کہتے ہیں اوراگر حضرت خواجہ صاحب چند مغربی ملاحدہ کو کورانہ تقلید نہ کرتے اور تحقیق سے کام لیتے توان پر یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا۔

(۲)

عید قیامت

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ " آج مسیحی دنیا میں یہ دن (ایسٹر کا دن) بڑی عزت اور خوشی سے منایا جاتا ہے یہی وہ دن ہے اوریہی وہ تاریخ ہے۔ اور آفتاب کی ایک نئی کیفیت کا پہلایہی دن ہے جس وقت زمین مردہ حالت سے لے کر نکل کر نئی زندگی اختیار کرتی ہے مصر اور آئرلینڈ کے لوگ ایسٹر کے دن بہار کی دیوی کی پرستش کرتے تھے جس کا نام آسٹر تھا۔ لفظ ایسٹر آسٹر ہی

سے نکلا ہے۔ پھر اس لفظ کا تعلق مشرق یعنی سورج کے نکلنے کی جگہ سے ہے" صفحہ ۵۸ پس یہ کلیسیائی تیوہار بھی شماسیت اور آفتاب پرستی کا ہی نتیجہ ہے۔

عید قیامت کا اصلی نام۔ چونکہ اس خاص مضمون کو حضرت خواجہ صاحب نے "سگریٹ کی ڈبیہ" کے کارڈ سے ہی ماخوذ کیا ہے صفحہ ۵۷ ۔ لہذا ان کو پھر ایک نام نے دھوکہ میں ڈالا ہے۔ وہ اس امر سے ناواقف ہیں کہ مسیحی صدیوں کے دوران اور بالخصوص جس زمانہ کا خواجہ صاحب ذکر کرتے ہیں ان دنوں میں عید قیامت کا نام " ایسٹر " نہیں تھا۔ بلکہ" عید فسح" تھا۔ اور یہ نام کم از کم دوسری صدی سے مسیحیوں[45] میں رائج تھا جو یونانی اور لاطینی زبانیں بولتے تھے۔ یہی نام آپ کلیسیائے انگلستان کی دعائے عام کی کتاب کے اردو ترجمہ مترجمہ بشپ فرنچ کے صفحہ ۸۹ پر پائینگے اوراسی دن ۱ کرنتھیوں ۵: ۷تا۸ آیات گانے کے لئے مقرر ہیں جہاں یہ مذکور ہے کہ" ہمارا فسح بھی یعنی مسیح ہمارے لئے قربان ہوا۔ اس لئے آؤ ہم عید کریں۔ پرُانے خمیر سے نہیں نہ بدی اور شرارت کے خمیر سے بلکہ صفائی اور سچائی کی فطیری روٹی سے" اور یہ الفاظ پولوس رسول نے اہل کرنتھ کو اس وقت لکھے تھے ۔ جب وہ عید قیامت کے منانے کی تیاری کررہے تھے۔ پس ابتدا سے لے کر اب تک تمام مسیحی صدیوں کے دوران عید قیامت کی کلیسیائی اصطلاح " عید فسح " ہی چلی آتی ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس عید کا تعلق ابتدا سے " مصر اورآئر لینڈ کی آسٹر دیوی" کے ساتھ نہیں بلکہ فسح کے برہ کے ساتھ تھا جس کا ذکر ہم گذشتہ فصل سے کرآئے ہیں ۔ یونانی اور لاطینی آبائے کلیسیا بھی اس عید کا تعلق فسح کے برہ کے ساتھ[46] بتلاتے ہیں۔ حالانکہ خواجہ صاحب کے دعویٰ کے مطابق ان کو اس کا تعلق آفتاب پرستی اور شماسیت کےساتھ بتلانا چاہیے۔ پس آپ کادعویٰ کہ" ایسٹر کی تقریب دراصل بہار کی دیوی کی تقریب ہے" (صفحہ ۵۹)سراسر غلط ہے۔

خواجہ صاحب کا استدلال اوراس کی بطالت۔ خواجہ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۶۲ ، ۱۹ ، ۲۲ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عید قیامت کی تاریخ کا تعلق آفتاب کے گھٹنے اور بڑھنے کے ساتھ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ " پرانی شماسی روایات یہ تھیں کہ ظلمت کا دیوجوآفتاب کا دشمن اور جس کے پنجہ سے ۲۵ دسمبر کو سورج نکلا ہے اس میں اور سورج مہاراج میں ایک مستقل جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ یہ جنگ روزانہ ہوتی ہے۔ اورہر روز تھوڑا تھوڑا دیو ظلمت پر غالب ہی آتا ہے۔ یعنی دن بڑھتا جاتا ہے۔ ۲۳مارچ تک تو یہی کیفیت رہتی ہے لیکن اس کے دوران تک سورج کوئی ترقی نہیں کرتا۔ لیکن دودن کے بعد سورج اس بڑھنے والی طاقت کےساتھ نمودار ہوگیا۔یہی وہ وقت ہے جب سورج کی یہ نئی روز افروز کیفیت بہار لا کر مردہ زمین کو از سر نوزندہ کرتی ہے" اوراسی واسطے یہ تاریخ ایسٹر کے لئے مقرر کی گئی تاکہ " اسی آفتاب پرستی کی رسم کوقائم رکھاجائے۔

خواجہ صاحب کا طرز استدلال صاف طورپر ثابت کرتا ہے کہ ان کو تاریخ کلیسیا سے کچھ مس نہیں ہے۔ اگروہ کلیسیا کی ابتدائی صدیوں کی تاریخ سے واقف ہوتے توان کو معلوم ہوتا کہ عید قیامت کی تاریخ پر کتنی مدت کلیسیا میں تنازعہ رہا اور بالآخر وہ کس طرح مقرر ہوئی۔ ان کی عدم واقفیت ان کو مغرب کے

[45] Dictionary of Christ and the Gospels.vol.I.p.255.

[46] Dictionary of Christ and the Gospels.vol.I.p.255.

ملاحدہ کی تقلید میں بات بات پر" سورج مہاراج" کے قدموں میں پہنچادیتی ہے۔ ہم ناظرین کے لئے اس کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

ابتدائی مسیحی بالا اتفاق خداوند کی موت اور قیامت کی یادگاری اس وقت کرتے تھے جس وقت ان کا وقوع ہوا تھا۔ یعنی عید فسح کے موقع پر۔ ان کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ سیدنا مسیح جمعہ کے روز مصلوب ہوئے۔ جس جمعہ کو سیدنا مسیح مصلوب ہوئے تھے وہ یہودی مہینہ نیسان کی ۱۴ تاریخ تھی۔ اب چونکہ یہودی مہینے قمری تھے لہذا یہ ضروری نہ تھا کہ ہر سال ۱۴ نیسان جمعہ کے دن ہی ہوا اور اتوار یعنی سیدنا مسیح کے جی اٹھنے کا دن ۱۶ نیسان کو ہی ہو۔ پس سوال یہ تھا کہ آیا سیدنا مسیح کی تصلیب اور فتح یاب قیامت کی یادگاری جمعہ اور اتوار کے روز کی جائے یا ۱۴ اور ۱۶ نیسان کی جائے ۔ روم اور مغرب کی کلیسیائیں اور بہت سی مشرقی کلیسیائیں جمعہ اور اتوار کے روز سیدنا مسیح کے مصلوب ہونے اور جی اٹھنے کی یادگاری کرتی تھیں ۔ اگر جمعہ کا دن ۱۴ نیسان کو نہ ہوتا تو وہ ۱۴ نیسان کے بعد جمعہ اور اتوار کے روز یہ یادگاری عمل میں لاتی تھیں۔ لیکن ایشیا کے مسیحی کہتے تھے کہ وہ اس تاریخ کو ان واقعات کی یادگاری کریں گے جس تاریخ وہ ظہور میں آئے تھے۔ یعنی ۱۴ اور ۱۶ نیسان کو خواہ وہ جمعہ اور اتوار کے دن ہوں یا نہ ہوں۔ اس تنازعہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ ۱۵۰ میں سمرنا کا اسقف پولیکارپ روم کے اسقف انیس ٹس کے پاس گیا۔ تا کہ اس امر کا فیصلہ ہوجائے لیکن دونوں اسقف اتفاق نہ کرسکے اور دوستانہ مراسم کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے ۱۷۰ء میں لودیکیہ میں بھی تنازعہ اٹھا۔ اور بلآخر ۱۹۰ء میں اس تنازعہ نے بہت تلخ صورت اختیار کی۔ پس مختلف مقامات مثلاً کنعان ، روم ، پونٹس، گال، میسوپٹامیہ، اڈیسہ وغیرہ میں کلیسیائی مجالس منعقد کی گئیں تا کہ اس تنازعہ کا فیصلہ ہوجائے اور بالا اتفاق یہ قرار پایا کہ ذیل کے اصول مد نظر رکھ کر سیدنا مسیح کی تصلیب اور قیامت کی تاریخیں مقرر کی جائیں۔ اول کہ یہ عید قیامت " خداوند کا دن" یعنی اتوار کو منائی جائے کیونکہ اس روز سیدنا مسیح مردوں میں سے جی اٹھے تھے۔ دوم کہ یہ اتوار ۱۴ نیسان کے بعد کا اتوار ہو۔ اور اگر ۱۶ نیسان اتوار کے روز ہو تو عید اس سے اگلے اتوار منائی جائے ۔ان مجالس کے فیصلہ کے مطابق مذکورہ بالا دنوں میں آہستہ آہستہ تمام ممالک سیدنا مسیح کی مبارک موت اور فتح یاب جی اٹھنے کی یادگاری کرنے لگے۔ان تاریخوں کے مقرر کرنے کا طریقہ آپ کلیسیائے انگلستان کی کتاب الصلواۃ کے دیباچہ میں دیکھ سکتے ہیں ناظرین خود غور فرماسکتے ہیں کہ ان دنوں اور تاریخوں کے تقرر میں شماسی عناصر کا خیال تک بھی آبائے کلیسیا کے نزدیک نہ پھٹکا تھا۔ چہ جائیکہ " پرانی شماسی روایات" کو اور" آفتاب پرستی کی رسم کو قائم" رکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔

خواجہ صاحب پر یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ عید قیامت کے تنازعہ کی بنا قمری مہینہ کی تاریخ تھی نہ کہ شمسی مہینہ کی۔قمری ماہ نیسان کی ۱۴ اور ۱۶ تاریخ ہرسال جمعہ اور اتوار کے روز نہیں پڑتی تھیں لہذا مختلف ممالک کی کلیسیاؤں میں تنازعہ پڑا تھا۔ پس اس حقیقت کے ہوتے ہوئے معلوم نہیں کہ آپ نے " آفتاب پرستی" اور " شماسیت " کا الزام آبائے کلیسیا پر کیوں لگایا۔اگرآپ ان پر قمر پرستی کا الزام لگاتے تو شاید کوئی سہارا آپ کو مل سکتا۔دیکھئے آپ کے ماخذ" سگریٹ کی ڈبیہ کے کارڈ" نےآپ کو کس قدر گمراہ کیا ہے۔آپ ملاحدہ کے در در پھرے اورآپ کی دریوزہ گری کا حاصل یہ ہوا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مسیح کی موت اور قیامت کا مشرکانہ معبودوں کی موت اور قیامت کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہے مسیح ایک تواریخی شخص تھا جس نے اپنے ہمعصروں کے ساتھ ہر طرح کی نیکی اور موت بلکہ صلیبی موت تک خدا کا فرمانبردار رہا اور اس کی موت خدا کی محبت کا اظہار اور گناہوں کی مغفرت کا نشان تھی۔ لیکن اوسیرس اور اطیس وغیرہ فرضی دیوتا تھے جو عالم نباتات کے تغیرات کی تشریح کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ ان کی موت کی روایات کا روحانی نجات کے مطلب کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعلق نہیں ۔ عہدجدید کے مسئلہ تجسم مسیح اور موت اور قیامت مسیح کے مسائل اور ان دیوی دیوتاؤں کے قصص میں بعد المشرقین ہے۔ اوسیرس کے قتل اوراطیس کی خود کشی کا مقابلہ سیدنا مسیح کی ایثار نفسی اورموت کے ساتھ کرنا ہر سلیم الطبع شخص کے نزدیک ایک مضحکہ خیز امر ہے۔

جس طرح سیدنا مسیح کی موت اور فرضی دیوتاؤں کی فرضی موت میں کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اسی طرح منجئی عالمین کی قیامت اوران فرضی دیوتاؤں کے دوبارہ جی اٹھنے کی قصہ کہانیوں میں بھی کسی قسم کا تعلق نہیں ہے عہدجدید کی کتب سے یہ ظاہر ہے کہ منجئی جہان کے شاگردواقع صلیب کے سبب یاس وحسرت کے عالم میں تھے اور خداوند مسیح کی پُرجلال قیامت کے واقعہ نے اس نا امیدی کو فتح یاب خوشی کی حالت میں مبدل کردیا۔ وہ جو پہلے بزدل تھے اب شیر دل بن گئے۔ وہ جو پہلے ایک معمولی لونڈی سے خائف وہراساں تھے واقعہ قیامت کے بعد" سارے عالم کو الٹ پلٹ کرنے والے" بن گئے ۔ اور نہایت دلیر اور جوشیلے مبلغ بن کر تمام رومی دنیا کو نجات کا پیغام سنانے والے بن گئے ۔ اس حیرت انگیز تبدیلی کا سبب صرف مسیح کی قیامت کا تواریخی واقعہ ہی تھا۔ یہ تواریخی واقعہ مسیحیت کا بنیادی پتھر بن گیا۔ یہاں تک کہ مسیحی دین کے مخالفوں کی یہی کوشش رہی کہ واقعہ قیامت مسیح کو باطل ثابت کریں لیکن سوائے حسرت اور ناکامی کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ حضرت خواجہ صاحب کے پیر مرزا قادیانی ، مسیحیت کی کامیابی کا راز بخوبی سمجھے ۔ چنانچہ آپ نے اپنے نومریدوں کو فرمایا تھا کہ

"اے میرے دوستو! میری ایک آخری وصیت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کوجو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو۔ اور عیسائیوں پر یہ ثابت کردو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہوچکا ہے۔ یہی ایک بحث ہے جس میں فتحیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کے روئے زمین سے صف لپیٹ دوگے۔ تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنے اوقات عزیز کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پُرزور دلائل سےعیسائیوں کو لاجواب اورساکت کردو۔جب تم مسیح کا مردوں میں داخل ہونا ثابت کردوگے اور عیسائیوں کےدلوں میں نقش کردوگے تو اس دن تم سمجھ لو کہ آج عیسائی مذہب دنیا سے رخصت ہوا۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہوا ان کا مذہب بھی فوت نہیں ہوسکتا (ازالہ صفحہ ۱۲۹)۔

مرزا صاحب تو کسر صلیب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے

ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے پیر صاحب کی ہدایت کے موافق پہلو بدل کر واقعہ قیامت پر حملہ کیا ہے لیکن جہاں آپ کے ملہم پیر صاحب کو ناکامی حاصل ہوئی وہاں آپ کو کامیابی کب حاصل ہوسکتی ہے۔ ہم نے آپ کے دعاوی

کی بطالت کو طشت از بام کردیا ہے اور ناظرین پر روشن کر دیا ہے کہ اوسیرس اطیس وغیرہ کے دوبارہ جی اٹھنے کے قصص محض خرافات ہیں جن کو مسیح قیامت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔

(۳)

سیدنا مسیح کی پیدائش کی یادگار اور خواجہ صاحب کا دعویٰ

مسیحی کلیسیا ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح کی مبارک پیدائش کی یادگاری کرتی ہے۔ خواجہ صاحب اس تہوار کی نسبت بھی یہی خوش اعتقادی رکھتے ہیں کہ وہ شماسیت اور آفتاب پرستی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ" مسیح سے پانچ صدی پہلے سے ہی ۲۵ دسمبر ایک مقدس تاریخ تھی۔ بہت سے سورج دیوتا اسی تاریخ پر یا اس سے ایک آدھ دن پیدا ہوچکے تھے۔ پھر اس سے بہتر اور کیا تاریخ ہوسکتی تھی" صفحہ ۸۵ لہذا اس تاریخ کو عیسائی کلیسیا نے اپنے منجئی کی پیدائش کی یادگاری کے واسطے مقرر کرلیا۔ اور پھر ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ" مسیح کی پیدائش کی تاریخ متھرا یا سورج کی پیدائش کا ہی دن ہے صفحہ ۸۴ لہذا"آفتاب پرستی کی رسم کو قائم" رکھنے کے لئے یہی دن مسیح کی پیدائش کا دن مقرر کردیا گیا۔

کاشکہ خواجہ صاحب تحقیق سے کام لیتے اور قدم قدم پر لغزش نہ کھاتے اور نہ اپنے ناظرین کی گمراہی کا باعث ہوتے۔ اگر آپ اپنی واقفیت کے لئے محض ملاحدہ کی کتب پر ہی اعتماد نہ کرتے بلکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے کی بھی زحمت گوارا کرلیتے تو ملاحدہ کے دعوے کی حقیقت ان پر خود بخود منکشف ہوجاتی اور وہ ایسی مضحکہ خیز باتیں لکھنے کا خیال بھی نہ کرتے۔

کرسمس کی تاریخ کا تقرر

یہ بات حق ہے کہ سیدنا مسیح کی پیدائش کی تاریخ کا ذکر انجیل جلیل میں نہیں ہے لہذا آبائے کلیسیا نے مسیح کی پیدائش کی عید کومنانے کے لئے ایک خاص دن مقرر کرنا چاہا جوانکے مروجہ حساب کے مطابق درست ہو۔ مشرقی کلیسیا نے اپنے حساب کے مطابق امر جنوری کو اس مبارک دن کی یاد میں مقرر کیا۔مغربی کلیسیا نے ہپولیٹس کے حساب کومنظور کرکے ۲۵ دسمبر کو مسیح کی پیدائش کی یادگاری میں مقرر کیا۔ ہپولیٹس نے خلقت کی ابتدا سے لے کر مسیح کی پیدائش تک اعداد کو جمع کیا۔ اس کے خیال کے مطابق خلقت کی ابتدا بروز اتوار ۲۵ مارچ کو ہوئی کیونکہ اس روز دن اور رات بڑے ہوتے ہیں اور سورج اور چاند دو دن بعد یعنی بروز بدھ ۲۸ مارچ کو خلق کئے گئے اور اس رات ماہ کامل تھا۔ عہد عتیق کے اعداد کو جمع کرکے اس نے یہودیوں کی عید فسح کا روز (جس کا ذکر خروج کی کتاب میں ہے) ۱۲ اپریل بروز سوموار مقرر کیا پھر عہد عتیق کے اعداد کو جمع کرکے عید فسح کے روز سے سیدنا مسیح کی پیدائش تک اس نے ۵۴۸ سال بنائے۔چونکہ عید فسح کا برہ مسیح کی قربانی کی تشبیہ تھا۔لہذا اس کے خیال کے مطابق یہ لازم تھا کہ مسیح بھی اس خاص سال کی عید فسح کے روز ہی پیدا ہو۔ اس کے حساب کے مطابق ۲۵ مارچ کی تاریخ کو فرشتہ نے مریم صدیقہ کو بشارت دی تھی اور اس تاریخ کو نو مہینے بعد ۲۵ دسمبر کو منجئی جہان کی ولادت ہوئی۔

عید ولادت اور شماسیت کی بے تعلقی

یہاں ہم کو اس حساب کے درست یا غلط ہونے سے بحث نہیں۔ زیر بحث صرف یہ ہے کہ عید ولادت کا دن کس طریقہ سے مقرر کیا گیا اور کیوں ۲۵ دسمبر کا دن اس کے لئے مخصوص ہوا۔ ہم نے ناظرین کو طریقہ کار بتادیا ہے اور وہ خود دیکھ سکتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے دعوے میں کہاں تک صداقت ہے ۔ ہپولیٹس اپنے حساب کے لئے عہد عتیق کے اعداد وشمار پر ہی اعتماد کرتا ہے اورانہی پر انحصار کرتا ہے۔اس کے حساب میں آفتاب کے کسوف وخسوف یا دنوں اور موسموں کی تبدیلی یا آفتاب پرستی اور شماسیت کے عناصر کا دخل نہیں۔ اس کے ماخذ عہدعتیق کی کتب اوراہل یہود کی تاریخ کے واقعات ہی ہیں۔ نیل صاحب اور ڈاکٹر دبولی کہتے ہیں کہ " یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ یہ تہوار اس خیال سے مقرر کیا گیا تھا کہ اس دن سورج کی پیدائش کا تہوار تھا۔ اور کہ عیسائیوں نے اسے آفتاب صداقت کی پیدائش کی یادگاری میں تبدیل کردیا[47]۔

پس عید ولادت کی تاریخ کے تقرر میں شماسی عناصر کو کسی قسم کادخل نہ تھا۔ ہاں جب یہ تاریخ مقرر ہوگئی تو مسیحیوں نے دونوں تاریخوں کے ایک ہونے کے حسُن اتفاق سے پورا فائدہ اٹھایا اور وہ مشرکین کے خیالات کو آفتاب پرستی سے ہٹا کر آفتاب کے خالق کی پرستش کی طرف لگاتے تھے۔ چنانچہ مقدس آگسٹین اپنے مشرک ہمعصروں کو کہتا ہے " ہم ۲۵ دسمبر کو کفار کی طرح نہیں مناتے جو ان کے دیوتا سورج کی پیدائش کا دن ہے بلکہ ہم اس دن کو اس لئے مناتے ہیں کہ اس دن سورج کا خالق پیدا ہوا "پروفیسر لیک کہتا ہے کہ یہ محض[48] اتفاق تھا کہ مسیح کی ولادت کے دن تاریخ وہی مقرر ہوئی جو سورج کی پیدائش کی تاریخ تھی اور فطرتی طور پر اس حسن اتفاق کا استعمال کیا گیا"۔ لیوا عظم بھی کہتا ہے کہ ہم اس روز کو نئے سورج کی پیدائش کی وجہ سے نہیں مانتے ہیں بلکہ مسیح کی پیدائش کی وجہ سے مانتے ہیں[49]۔

جب ہم اس بات کا لحاظ کرتے ہیں کہ مشرقی کلیسیا نے اپنے حساب کے مطابق ۶ جنوری کا دن عید ولادت کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور کہ اسکندریہ کا کلیمنٹ ہمیں بتاتاہے کہ بعض کلیسیائیں ۲۰ مئی کو یہ عید[50] مناتی تھیں اور کہ اب تک آرمینی کلیسیا ۶ جنوری کے روز سیدنا مسیح کی پیدائش کی یادگاری[51] کرتی ہے تو خواجہ صاحب کے دعویٰ کا پول صاف ظاہر ہوجاتاہے کہ متھرا دیوتا کی پیدائش کے روز مسیح کا جنم دن قرار دے کر عیسائیوں نے "آفتاب پرستی کی رسم کو قائم رکھا"۔

مزید برآں خواجہ صاحب کو خود اقبال ہے کہ انجیل سے " جناب مسیح کی پیدائش کا دن ۲۵ دسمبر کسی طرح ثابت نہیں ہوتا"۔ صفحہ ۹۰ پس بفرض محال اگر ۲۵ دسمبر کا دن مشرکانہ رسوم سے اخذ بھی کیا گیا ہو تو اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ انجیل میں مشرکانہ عناصر داخل ہوگئے ہیں۔

علاوہ ازیں خواجہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ مشرکانہ تہوار کی تاریخ ابتدامیں ۲۵ دسمبر نہیں بلکہ مشرکانہ عید ۱۷ دسمبر اور ۱۹ دسمبر یعنی ان

[47] Neil and Willoughby, The Tutorial Prayer Book.p.45

[48] Kirsopp.Lake,Art.Christmas p.608.
[49] Frazer, Golden Bough.p.359.
[50] Evan Daniel, The Prayer Book: p.201
[51] Neil and Willoughby, The Tutorial Prayer Book.p.155

تینوں دنوں میں سے کسی دن [52] پر پڑتی تھی۔مابعد کے زمانہ میں ایک ہفتہ اور ایزاد کردیا گیا۔ اور یوں ۲۵ دسمبر کا دن مشرکین منانے لگ گئے۔ پس مسیحی تہوار کی تاریخ بھی مشرکانہ تہوار کی تاریخ سے درحقیقت کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

عبادتخانوں کا رُخ۔خواجہ صاحب کا خیال ہے کہ چونکہ عیسائی اپالویعنی سورج دیوتا کی جگہ مسیح کو مانتے تھے لہذا "آلٹر یعنی مذبح کا وہی گوشہ مشرق میں ہوتا ہے۔ آج دنیا کا کونسا گرجاہے جو خواہ کسی فرقہ عیسائیت سے تعلق رکھتا ہو مشرق میں ہو یا مغرب میں جس کی آلٹر گوشہ مغرب میں نہیں" صفحہ ۶۴۔ یہاں چند امور تنقیح طلب ہیں۔ اول خواجہ صاحب فرض کرلیتے ہیں کہ عیسائیوں کے عبادتخانوں کا رخ مشرق رویہ ہونا لازمہ ہے۔ ہم نے قرآن سے ثابت کردیاہے کہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ قبلہ رونماز پڑھیں کیاخواجہ صاحب ایک انجیلی آیت سے بھی اپنے مفروضہ دعویٰ کو ثابت کرسکتے ہیں۔کہ عیسائیوں کو مشرق روہو کر نماز کرنی ضروری ہے۔ دوم۔خواجہ صاحب کاخیال ہے کہ عیسائی مشرق روہو کر نمازاس واسطے کرتے ہیں کہ تاکہ شماسی روایات اور سورج دیوتا کی یادگار باقی رہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل یہود بیت المقدس کی طرف تعظیماً منہ کرکے نماز کیا کرتے تھے۔عیسائیوں نے بھی ان کی تلقید میں مشرق روہو کر نماز پڑھنی شروع کردی۔ بالخصوص چونکہ مشرق میں سیدنا مسیح کا ستارہ دیکھا گیا تھا اور سیدنا مسیح کی پیدائش وحیات وفات وقیامت سب ارض مقدس میں ہوئیں اس لئے مشرق اور اس ملک کی طرف منہ پھیرنا ان کو محبوب رہامگر نہ بطور فرض شروع اسلام میں جب تک آنحضرت مکہ میں تشریف رکھتے تھے آپ

[52] Neil and Willoughby, The Tutorial Prayer Book.p.155

نے حسب رواج اہل کتاب بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایا۔ چنانچہ روایت ہے ابن عباس یہ ہے کہ کان رسول اللہ ﷺ وھو بمکہ نحوبیت المقدس ---وبعد ماتحول الی المدینہ ستہ شھر اثمہ امی الکعبۃ یعنی" جب رسول اللہ مکہ میں تھے توآپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے ---اورجب مدینہ کو ہجرت کر گئے تو ۱۶ ماہ تک اسی قبلہ پر رہے پھر کعبہ کی طرف پھرے" پس آنحضرت نے بھی اسلام لانے کے بعد بیت المقدس کو ۱۴ سال تک قبلہ بنایا۔ کیاآنحضرت بھی مشرق رویہ سجدہ کرتے تھے تاکہ شماسی روایات کو برقرار رکھیں ؟ سوم۔ حضرت خواجہ صاحب خیال فرماتے ہیں کہ" دنیا" بھر میں ہر ایک گرجا" خواہ کسی فرقہ عیسائیت سے تعلق رکھتاہو مشرق یا مغرب میں" اس کی آلٹر گوشہ مشرق میں ہوتا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے عیسائیوں کے عبادتخانوں کے رخ پرچہار طرف ہوتے ہیں اور اس میں کسی خاص کونہ کو شرف حاصل نہیں۔آپ خود فرماتے ہیں کہ " پہلی چند عیسائی صدیوں میں مذبح کو بلاتمیز جہت جہاں کہیں بھی ہوبنادیا جاتا تھا" صفحہ ۶۴ اور بیسویں صدی میں بھی آپ یہی دیکھیں گے کہ مذبح کو" بلاتمیز جہت جہاں کہیں بھی ہو بنوادیا جاتا" ہے۔ پس عیسوی روحانی تعلیم کے مطابق عیسائی ہر وقت نماز کرسکتا ہے وہ ہر سمت کو اپنا قبلہ بناسکتا ہے لیکن مسلمان سورج کے ٹھکانے کی کھوج میں ہوتا ہے۔

مسیحیت اور مشرکانہ توہمات۔ خواجہ صاحب اوران کے ہم خیال اصحاب نے نہایت خفیف اور کمزور بنا پر ایک عظیم الشان دعویٰ کھڑا کردیا کہ مسیحیت اور مشرکانہ مذہب درحقیقت ایک ہی ہیں۔ہم نے خواجہ صاحب کے دعویٰ کی تنقیح اور تنقید کرکے ثابت کردیا ہے کہ یہ دعویٰ سراسر غلط اوربے بنیاد ہے۔ اوریہی وجہ ہے کہ یورپ کے ممالک میں اب یہ دعویٰ مردود قراردیا

جارہا ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ جب چوتھی صدی میں مسیحیت مشرکانہ ادیان پر فاتح ہوئی اور اس صدی میں اور بعد کی صدیوں میں مشرکانہ مذاہب سے لوگ جوق درجوق مسیحیت کے حلقہ بگوش ہونے لگے تو وہ اپنے ساتھ چند ایک توہمات لے آئے۔ جو بحر متوسط کے ارد گرد کے ممالک میں رائج تھے۔ اور یہ قدرتی بات تھی ۔ جس ملک میں دو یا زیادہ مختلف مذاہب کے پیرو آپس میں غلط ملط ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی توہم پرستی سے عوام الناس ضرور متاثر ہوجاتے ہیں ۔مثال کے طور پر ہندوستان میں، رسم میلاد ، نذر نیاز لغیر اللہ ۔ نداء غیر اللہ سجدہ ، سجود ، بوسہ ، قبور، وظیفہ شیاءاللہ ۔ تعمیر قببت بشریت، رسول علم غیب، وجوب تقلید، عرُس، قیام فاتحہ، مروجہ اعلام، ذات پاک کا امتیاز ، بیاہ شادی وغیرہ کی بیہودہ رسوم اور بیسیوں دیگر توہمات اہل اسلام میں پائے جاتے ہیں ۔ جن کا تعلق خالص اسلام سے نہیں بلکہ یہ انہوں نے ہمسایہ اقوام سے اخذ کی ہیں۔

لیکن ان کی بناء پر کوئی صاحب ہوش یہ دعوےٰ نہیں کریگا کہ اسلام کا ماخذ ہندو مذہب ہے۔اسی طرح جب مابعد کی صدیوں میں چند ایک توہمات کو مسیحی اپنے ہمراہ لے آئے تو کوئی صحیح العقل شخص ان کو انجیل جلیل یا مسیحیت کا ماخذ نہیں قرار دیگا۔ لیکن بعینہ یہی بات حضرت خواجہ صاحب نے کی ہے۔ اوراس کا ابطال کیا گیا ہے ۔ یہ حق ہے کہ چوتھی صدی کے آخر اور بعد کی صدیوں میں چند بیہودہ رسوم کلیسیا میں داخل ہو گئیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کہ وہ پہلی صدی میں کلیسیا میں گھس کر انجیل جلیل میں داخل ہو گئیں اوراس کا جزو لانیفک بن گئیں ہمیں یقین ہے کہ ہر ناظر خواجہ صاحب کی کتاب کے صفحہ ے کا مطالعہ کرکے خود ہی کہیگا کہ ان کا تعلق انجیل اور مسیحیت سے نہیں۔

مزید براں حضرت خواجہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو بیہودہ خرافات اور توہمات مشرکین میں سے نومرید اپنے ہمراہ کلیسیا میں لائے تھے وہ سب کی کی سب سولھویں صدی میں اصلاحی تحریک نے یوروپین ممالک کی کلیسیاؤں میں سے خارج کردئے تھے اور باستثنائے رومی کلیسیا ان کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ (اور اس کا خود خواجہ صاحب کو اقبال ہے صفحہ ٦٨)اور رومی کلیسیا میں بھی کوئی شخص یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ کلیسیاء کے اجزائے لاینفک ہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ " وہ رومی کلیسیا کا جوہر نہیں۔ بلکہ محض عرض ہیں جو اس سے جدا ہوسکتے ہیں اگر ہم ان کو کوڑا کرکٹ کے طور پر پھینک دیں تو بھی رومی کلیسیا کی استدلالی عمارت قائم اور جوں کی توں کھڑی رہیگی"۔[53]

---

[53] Essays. Catholic and Critical.p.395.

باب ششم

سیدنا مسیح کی معجزانہ پیدائش

خواجہ صاحب کا دعویٰ

خواجہ صاحب ملاحدہ یورپ کی خوشہ چینی کرکے فرماتے ہیں " ڈیمیٹر، آئی سس، ہرتھا، نانا، جنو، چلمن، سملی، ڈائنا، فرگا، ینتھ کی قائمقام جناب مریم ٹھہرائی گئیں۔ کیونکہ یہ سب کی سب بیویاں اپنے اپنے ہاں عذرا اور کنواریاں مانی گئی ہیں۔ یہ سب کی سب بحالت بکر ہی مذکورہ بالا خداؤں کی مائیں بنیں "صفحہ ۵۵۔

سبحنک ھذا بھتان عظیم۔ یہ چند سطور صاف ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب یونانی رومی دنیا کے علم الاصنام سے قطعی ناواقف ہیں۔ ان کا دعویٰ کہ یہ اپنے اپنے عذا اور کنواریاں ہی مانی گئی ہیں۔ یہ سب کی سب بیویاں بحالت بکر ہی خداؤں کی مائیں بنیں" سراسر غلط ہے اور اگر خواجہ صاحب یونانی اور رومی علم الاصنام کا مطالعہ کرکے اس کا انجیلی جلیل کے بیانات کے ساتھ مقابلہ کرنے کی زحمت گوارا فرمالیتے اورملاحدہ یورپ کی کورانہ تقلید نہ کرتے تو نہ خود گمراہ ہوتے اور نہ دوسروں کے گمراہ ہونے کا باعث بنتے۔

خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت جناب مسیح حضرت مریم باکرہ کے بطن اطہر سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ آپ کی پیدائش دیگر انسانوں کی طرح تھی اور آپ کے حقیقی والد حضرت یوسف تھے۔ لیکن چونکہ رومی اور یونانی دنیا کے مشرکین کا یہ اعتقاد تھا کہ ان کے دیوتے باکرہ دیویوں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں لہذا مسیحیوں نے بھی ان کی تقلید میں ان بُت پرستوں کی مشرکانہ روایات کو جناب مسیح اور حضرت مریم پر جوں کی توں چسپاں کرکے انجیل میں اعجازی پیدائش کے افسانہ کو واقعہ کی صورت میں رنگ کر لکھ دیا اور یوں مشرکانہ روایات کو انجیل میں داخل کردیا۔

ہم ناظرین پر انشاء اللہ یہ ظاہر کردینگے کہ خواجہ صاحب کے جملہ اباطیل ان کی عدم واقفیت پر مبنی ہیں اور اگرآپ اپنے رہبروں یعنی ملاحدہ یورپ کی کتابوں کی محققانہ تنقید کرتے تو اس جاہ ضلالت میں نہ گرتے۔

(۱)

مشرکین کے قصص اور انجیلی بیانات میں فرق

سیدنا مسیح کی پیدائش کا اخلاقی پہلو

اگر خواجہ صاحب مشرکین کے دیوی دیوتاؤں کے قصص کا اناجیل کے بیانات کے ساتھ مقابلہ کرتے تو ان پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ ان قصص میں اور انجیلی بیان میں بعد المشرقین ہے۔ خواہ ان قصص کا طرز لے لو خواہ ان کا اندرونی مفہوم لے لو ان کہانیوں میں اور انجیل شریف میں کسی قسم کی بھی مناسبت نہیں ہے۔ ان دونوں بیانوں کے خیالات اور جذبات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کجا کلمۃ اللہ کی معجزانہ پیدائش اور کجا ان دیوی دیوتاؤں کے گندے غلیظ اور ناپاک قصے جن کا نمونہ ہم اس کتاب کے حصہ اول کے شروع میں دے چکے ہیں۔ کہاں فرشتہ کا مریم صدیقہ کو فرمانا کہ " پاک روح تجھ پر نازل ہوگی اور خدا کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی اور اس سبب سے وہ پاکیزہ جو پیدا ہونے والا ہے خدا کا بیٹا کہلائے گا" (لوقا ۱: ۳۵) اور کہاں بادام کے درخت کا پھل کھا کر

دیوی کا حاملہ ہونا یا سفید ہاتھی کا دیوی کے ساتھ خواب میں ہمبستر ہونا وغیرہ۔ کہاں سیدۃ النساوہ صدیقہ جس کی شان میں قرآن میں وارد ہوا ہے وانی اعیذ ہا بک وذریتھا الشیطن الرجیم یعنی مریم اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں دیا گیا تھا اور جس کی شان میں رسول عربی نے فرمایا ہے کہ کوئی بچہ ایسا نہیں ہوتا جسے پیدا ہوتے وقت شیطان مس نہ کرتا ہو یہاں تک کہ وہ مس شیطان کے سبب سے رونے لگتا ہے مگر مریم اور اسکا بیٹا۔کہاں مریم صدیقہ کی شان۔

اور کہاں وہ دیویاں جن کی پرستش کا اہم اور عظیم حصہ عصمت فروشی اور سیہ کاری تھا۔غرضیکہ دونوں باتیں روحانی اور اخلاقی نقطہ نظر سے ایک دوسرے سے کسی طرح کی بھی مناسبت نہیں رکھتیں۔ جسٹن شہید بھی یہی کہتا ہے کہ مشرکانہ روایات اور انجیلی بیان میں روحانی اور اخلاقی طور پر اختلاف کلی ہے "۔ انجیلی بیان میں صاف طور پر روحانی نقطہ نظر اور پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے۔ فرشتہ مقدسہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے " پاک روح تجھ پر نازل ہوگی اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی اور اس سبب سے وہ پاکیزہ جو پیدا ہونے والا ہے خدا کی بیٹا کہلائیگا(لوقا ۱: ۳۵)ہم کو یہ روحانی اور اخلاقی پہلو کو جو انجیلی بیان میں غالب ہے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

سیدنا مسیح کی پیدائش کا تواریخی پہلو

نہ صرف روحانی اور اخلاقی نقطہ نظر سے مشرکانہ دیوی دیوتاؤں کی پیدائش اور منجئی عالمین کی پیدائش میں بعد المشرقین ہے بلکہ تواریخی حیثیت سے بھی دونوں میں کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ بُت پرستوں کے دیوی دیوتا تواریخی ہستیاں نہیں تھیں اور اس بات کا آپ کو خود اعتراف ہے کہ " یہ ہستیاں تخیل کی ہستیاں ہیں"پس جب یہ ہستیاں تخیل کی ہستیاں ہیں تو ان خیالی ہستیوں کی پیدائش کے قصص بھی تخیل کا نتیجہ ہی ہوئے لیکن جناب مسیح تو"تخیل کی ہستی" نہیں تھے بلکہ وہ ایک تواریخی شخص تھا۔پس ایک تواریخی شخص کی تواریخی پیدائش اور خیالی ہستیوں کی خیالی پیدائش میں کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔خواجہ صاحب خود ہی غور فرما کر انصاف کریں۔

سیدنا مسیح کی پیدائش ایک پاک باکرہ سے تھی

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ " مشرکانہ دیویاں جن کی قائم مقام جناب مریم ٹھہرائی گئیں سب کی سب اپنے اپنے ہاں عذرا اور کنواریاں ہی مانی گئیں یہ سب کی سب بحالت بکر ہی خداؤں کی مائیں بنیں" صفحہ ۵۵۔ہر سلیم الطبع شخص ان یونانی رومی ہندی وغیرہ افسانوں کو خود پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کریگا کہ ان کا تعلق انجیلی بیانات سے نہیں ہے۔خواجہ صاحب کی عدم واقفیت اس سے ظاہر ہے کہ ان افسانوں میں کنواری سے پیدائش کا ذکر بھی نہیں ہے ہاں دیوتاؤں کا ذکر ہے جو حیوانی اور شہوانی جذبات سے مجبور ہو کر دیویوں سے ناپاک اور ناجائز مباشرت کرتے ہیں۔ بالعموم ان قصص میں ایک انسانی باپ ضرور موجود ہوتا ہے اور باوجود انسانی باپ کی ہستی کے ان کا قصہ ہم کو یہ بتاتا ہے کہ درحقیقت ایک دیوتا باپ تھا۔ ان قصص میں عورتیں کنواریاں نہیں ہوتیں بلکہ شادی شدہ ہوتی ہیں اور ان کا حمل کسی مادی شے مثلاً پتھر، بادام یا گھاس کے پتے کے کھانے یا چھونے کی وجہ سے قرار پاتا ہے بعض دفعہ غسل کرنے یا سورج کی کرنوں سے قرار پاتا ہے۔

یہ کہانیاں ہم کو بتاتی ہیں کہ دیوتاؤں نے ان مادی اشیاء کی صورت اختیار کرلی تھی تاکہ وہ یوں عورت کے پیٹ میں جا کر پیدا ہوں۔ہم حیران ہیں کہ خواجہ صاحب ان خرافات میں اور انجیلی بیان میں تمیز نہیں کرسکتے۔ انجیلی

بیانات میں مادی اشیاء کا (جو یونانی قصص کا لازمی حصہ ہیں) اشارہ تک نہیں ملتا۔ دونوں کی فضا ہی علیحدہٰ ہے ۔ ڈاکٹر آرنے یہ ثابت کردیاہے کہ ابھی تک ان تمام خرافات میں ایک قصہ بھی نہیں ملا جس سے ایک پاک کنواری کے بطن سے پیدائش کا ذکر ہو۔ بلکہ اس کے برعکس ان افسانوں میں ان عورتوں کے کنواری نہ ہونے کا ذکر عموماً ملتا ہے[54]۔ یہاں تک کہ انتہا پسند نقاد مثلاً ڈاکٹر جے وایس اس امر کے قائل ہوگئے ہیں اوراب یہ کہنے لگ گئے ہیں کہ انجیل نویسوں نے ان مشرکانہ روایات کو اخذ کرکے ان کو کلیتہً ایسا تبدیل کردیا ہے کہ اب ان میں اور ان کے ماخذوں میں کسی قسم کا تعلق نہیں رہا[55]۔!!

پس جیسا ڈاکٹر سویٹ کہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ "کنواری سے پیدائش مشرکانہ روایات کا جزو بالکل نہیں ہے ان روایات میں مافوق العادت پیدائشوں کی بھرمارہے لیکن ان پیدائشوں میں ایک بھی ایسی پیدائش کا ذکر نہیں جو کنواری سے ہو جس طرح عہد جدید میں کنواری سے پیدائش کا ذکر ہے۔ ہر دیوتا کی پیدائش جسمانی مجامعت کا نتیجہ ہے باستثنائے چند ایک کے جن میں عورت ہرگز باکرہ نہ تھی۔۔۔"

اگر خواجہ صاحب کے دل میں اب بھی کسی قسم کا شک رہ گیا ہو تو ہم آپ کے پیر حضرت مرزا صاحب قادیانی نبی کا الہامی قول آپ کو یاددلاتے ہیں کہ " جس بات کی ہم تلاش میں تھے یعنی یہ کہ بغیر باپ کے پیداہونا۔ اس کی نظیر یقینی طور پرہندوؤں اوریونانیوں میں ہمیں نہیں مل سکی" کیا خواجہ صاحب اب بھی یہی کہیں گے کہ یہ " سب کی سب دیویاں (جن کا ذکرآپ نے کیا ہے) اپنے اپنے ہاں عذرا اور کنواریاں ہی مانی گئی ہیں اور یہ سب کی سب بحالت بکرہی خداؤں کی مائیں بنیں۔

ہر کس ازدست غیر می نالد

سعد یاازدست خویشتن فریاد

پس سیدنا مسیح کی اعجازی پیدائش صفحہ ہستی پر ایک لاثانی واقعہ ہے جس کی نظیر مشرکانہ روایات میں بھی ہم کو نہیں ملتی۔ بالخصوص تین باتیں ہیں جو مشرکانہ روایات اورانجیلی بیان کا مابہ امتیاز ہیں۔ اول مسیح کی اعجازی پیدائش اس غرض سے ہوئی کہ خدا تجسم اختیار کرے۔ لیکن مشرکانہ روایات میں خداؤں نے اوتار لیا اور عورتوں سے مجامعت کی جس کا نتیجہ اعجازی پیدائش ہوئیں۔ دوم۔ جیسا ہم دکھاچکے ہیں اخلاقی او رروحانی اور تواریخی نقطہ نظر سے انجیلی بیان اور بُت پرستوں کی روایات میں بعد المشرقین ہے۔ سوم حضرت مریم صدیقہ حمل کے وقت اور حمل کے بعد تاوقت زائیدن باکرہ رہیں۔ لیکن مشرکانہ روایات اس عنصر سے خالی ہیں۔ غرضیکہ جس طرح منجئی عالمین کی شخصیت صفحہ ہستی اورعالم خیال میں لاثانی اور بے نظیر واقع ہوئی ہے ۔ اسی طرح آپ کی پیدائش بھی صفحہ ہستی اورعام خیال میں بے نظیر واقع ہوئی ہے۔

ع کہ عدیم است عدیلش چوخداوند کریم

---

[54] Orr, Virgin Birth of Jesus.Chap.6.

[55] J.Weiss.quoted by Mackintosh in Person of Jesus Christ.p.530

(۲)

مشرکانہ روایات یہودی عیسائیوں میں رائج نہیں ہوسکتی تھی

حضرت خواجہ صاحب کا یہ خیال غلط اور واقعات کے خلاف ہے کہ جناب مسیح کی اعجازی پیدائش کا بیان مشرکانہ روایات کا نتیجہ ہے۔ اگر خواجہ صاحب اہل یہود کی تاریخ سے واقف ہوتے توآپ پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ یہود توحید کے دالدادہ اور مشرک کے جانی دشمن تھے۔ اہل یہود کاذہن ایسا نہ تھا کہ مشرکانہ خیالات اس میں جڑ پکڑ سکتے پس بُت پرست دیوی دیوتاؤں کی پیدائش کے قصص یہودی عیسائیوں کےدلوں میں ہر گز ہر گز نہیں ہوسکتے تھے۔ اگر بفرض محال یہودیوں یا یہودی عیسائیوں کے حلقوں میں بُت پرست اور مشرکانہ خیالات داخل ہوگئے تھے تو رسولوں نے ان لوگوں کو دیوتا کیوں نہ بنا دیا اور موسیٰ اور ایلیاہ(الیاس)جیسی عظیم ترین شخصیتوں کو الہیٰ صفات سے کیوں متصف نہ کیا گیا۔

ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ اگر یہ امور مشرکانہ مذاہب سے یہودی عیسائیوں کے حلقہ میں داخل ہوگئے تھے توپھر متی رسول کیوں ان امور کو ایک یہودی پیشینگوئی کے پورا ہونے کی طرف منسوب کرتا ہے (۱) اور وہ بھی ایسے طور پر پیش کرتاہے کہ اہل یہود خود اس آیہ شریفہ کی اس طرح تاویل نہ کرتے تھے کیا یہ قرین قیاس ہے کہ متی کی انجیل کا یہودی مصنف ایک یہودی پیشینگوئی اورآیت کو مشرکانہ روایت کے پورا ہونے کے لئے استعمال کرے۔ کیا کوئی صحیح العقل شخص اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے کہ ابتدائی رسول اپنے یہودی استاد کی پیدائش کے حالات بتانے کے لئے مشرکانہ حلقوں کےدست نگر ہوئے ہوں۔ڈاکٹر وائیس کیا خوب کہتا ہے کہ " ان مشرکانہ قصص میں شہوت اور گندے خیالات کی شرمناک تعریف مسیحی احساس کے لئے نفرت انگیز تھی۔ ان خیالات کو جنابِ مسیح کی طرف منسوب کرنا ایک مقدس ترین ہستی کو شہوت اور غلاظت کی کیچڑ میں گھسیٹنا تھا[56]۔ اگر خواجہ صاحب ابتدائی مسیحی لٹریچر مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرماتے توآپ پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ اس میں بُت پرستوں کے دیوی دیوتاؤں کے قصص کے خلاف کس قدر نفرت کا اظہار پایا جاتاہے ۔ مثال کے طور پر ایرسٹیڈیز کا معذرت نامہ پڑھ لو جو ۱۲۶ء اور ۱۴۰ء کے درمیان لکھا گیا تھاوہ کہتا ہے " اے بادشاہ ان قصص کی وجہ سے انسانوں میں بہت برائی پیدا ہوگئی ہے کیونکہ وہ اپنے دیوتاؤں کے اعمال کی نقل کرتےہیں اورزنا کے مرتکب ہو کر اپنے آپ کو ناپاک کرتےہیں کیونکہ جب ان کے معبودوں سے ایسی ناپاک حرکتیں سرزد ہوئی تھیں تو ان کے پرستار وہی باتیں کیوں نہ کرینگے [57]۔

اسی طرح جسٹن شہید بھی ان ناپاک قصص کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتاہے کہ عیسائیوں کے کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آیا تھا کہ مشرکانہ روایات کو مسیحی روایات میں داخل کردیں۔

شاید خواجہ صاحب کا خیال ہو کہ مقدس پولوس نے کنواری سے پیدائش کا عقیدہ" شماس پرست" مشرکین سے اخذ کرکے انجیل اور مسیحیت میں داخل کردیا تھا لہذاہم ان پر یہ جتادیتےہیں کہ مقدس پولوس ایک دفعہ بھی منجی عالمین کی اعجازی پیدائش کا اپنے خطوط میں ذکر نہیں کرتا اور نہ اس کی

[56] Dr.Weiss, quoted by knowing in Virgin Birth p.43.
[57] Apology of Aristides chap.ix

طرف کبھی اشارہ ہی کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات ابتدائی رسولوں کی منادی کا حصہ نہ تھی رسول خداوند کی پبلک زندگی کے مشاہد تھے جو بپتسمہ سے شروع ہو کر صعود آسمانی تک تھی اوراسی حصہ کے وہ مناد بھی تھے۔ پس پولوس رسول نے یہ عنصر مشرکین سے لے کر مسیحیت میں داخل نہیں کیا تھا۔

(۳)

انجیلی بیانات اور یہودی تاثیرات

ہم باب چہارم کی پہلی فصل میں ثابت کرچکے ہیں کہ موجودہ اناجیل پہلی صدی مسیحی کی تصنیف ہیں جب یونانی خیالات کا نشان بھی موجود نہ تھا۔ پس ان اناجیل کی قدامت اس بات پر شاہد ہے کہ مشرکانہ عناصر کا ان میں کہیں بھی دخل نہیں لہذا جنابِ مسیح کی اعجازی پیدائش ایک تاریخی اور حقیقی واقعہ ہے جو ان اناجیل کے مصنفین نے سچے مورخ ہونے کی حیثیت سے لکھا تھا۔

جس شخص نے انجیلی بیانات کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے وہ جانتا ہے کہ پہلی اور تیسری انجیلوں کے ابتدائی ابواب یہودی خیالات احساس اورجذبات سے بھرے پڑے ہیں۔ پس ان مشرکانہ عناصر کا دخل ایک ناممکن الوقوع امر ہے۔ان ابواب کا ایک ایک لفظ اہلِ یہود کے خیالات اور عادات کا مظہر ہے جب ہم نسب ناموں پر نظر کرتے ہیں تو ان کو اہل یہود کی طرز پر پاتے ہیں ۔ مثلاً متی رسول کا نسب نامہ " یسوع مسیح ابن داؤد" کا نسب نامہ ہے جس کے رگ وریشہ میں یہودی جذبات بھرے پڑے ہیں۔اسی طرح جب ہم مقدسہ مریم اور حضرت یوسف کے باہمی تعلقات پر نظر کرتے ہیں (متی پہلا باب) تو ان کو یہودی طریق کے مطابق پاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس لوقا کی انجیل کے ابتدائی ابواب بھی یہودی خیالات ۔ جذبات وغیرہ سے پرُ ہیں۔ خدا کے فرشتہ کا ہیکل میں زکریا کاہن کو دکھائی دینا اوراس کے بیٹے کی بشارت دینا ۔ پھر فرشتہ کا مریم کو بیٹے کی بشارت دے کر کہنا کہ " خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دیگا اور وہ یعقوب کے گھرانے پرابد تک بادشاہی کرے گا اوراسکی بادشاہی کاآخر نہ ہوگا"۔ مریم کا گیت سموئیل نبی کی ماں حنہ کے گیت کی صدائے باز گشت ہے۔ زکریا کا گیت بتاتا ہے کہ خدانے " اپنی امت پر توجہ کرکے اسے چھٹکارادیا اوراپنے خادم داؤد کے گھرانے میں ہمارے لئے نجات کاسینگ نکالا" (۱: ۹) مسیح کی پیدائش اور فرشتوں کا اعلان، سیدنا مسیح کا ختنہ اوراسکا ہیکل میں حاضر کیا جانا جہاں شمعون ہے " جو اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا" اور خداوند کے مسیح کی راہ دیکھتا تھا(۲: ۲۶) اور"آشر کے قبیلے میں سے حنا نام فنوایل کی بیٹی ایک نبیہ " جو ہیکل سے جدا نہ ہوتی تھی بلکہ رات دن روزوں اور دعاؤں کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھی" ان سب سے " جو یروشلیم کے چھٹکارے کے منتظر تھے باتیں کرنے لگی"(۲: ۳۶تا ۳۸)ان ابواب کے گیتوں کا طرز "سلیمان کے زبور" کی کتاب کے طرز تحریر پر ڈھلا ہے۔ ڈاکٹر چارلس ہمیں بتاتا ہے کہ لوقا ۱: ۵۵ نہ صرف میکاہ ۷: ۲۳ کے الفاظ کی صدائے باز گشت ہے بلکہ "یوبلیوں کی کتاب" ۲۵: ۱۷) کی یاد بھی تازہ کردیتی ہے۔ ہم ناظرین کو کینن باکس کی کتاب کے پہلے چار ابواب کے مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ ان پرظاہر ہوجائے کہ ان اور دیگر باتوں سے جن کو ہم اختصار کی خاطر نظر انداز کرگئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ پیدائشِ مسیح کے انجیلی بیانات یہودی خیالات امیدوں جذبوں سے بھرے پڑے ہیں اور ان میں مشرکانہ

روایات اور قصص بلکہ غیر یہودی باتوں کا نام ونشان بھی نہیں ملتا[58]۔ چنانچہ اسنر جو سیدنا مسیح کی معجزانہ پیدائش کا قائل نہیں ہے وہ بھی کہتا ہے کہ" انجیلی بیان کی طرز اوراس کے خیالات اور عبرانی نظمیں اور یہودی باتیں اس بات کی قاطع دلیل ہیں کہ یہ ابواب کسی یہودی عیسائی کی تصنیف ہیں اور یہ امر اب عام طور پر تسلیم بھی کیاجاتا ہے[59]۔

مزید برآں اہل یہود کے نزدیک کنوار پن کی حالت شادی کی حالت سے اعلیٰ اور افضل خیال نہیں کی جاتی تھی۔ انجیلوں کے بیانات میں بھی ہم کو یہ خیال مطلق نہیں ملتا۔ اہل یہود میں کنواری سے پیدائش کا خیال ایک نفرت انگیز بات تھی اوریہودی کتب میں ایسی پیدائش کا ذکر تک ہمیں نہیں ملتا۔

پس یہودی عیسائیوں کا باوجود ان خیالات اورجذبات کے منجئی جہان کی معجزانہ پیدائش کو قبول کرلینا اس واقعہ کی تواریخی صحت پر دال ہے۔ ان عیسائیوں نے جیسا ہم ظاہر کرچکے ہیں یہ واقعہ مشرکانہ روایات سے اخذ نہیں کیا تھا اور نہ ان کی کتب اور خیالات میں موجود تھا پس انہوں نے اس واقعہ کو اس کی تواریخی صحت کی وجہ ہی سے قبول کیا[60] تھا۔

مذکورہ بالاوجوہ کی بناء پر علماء نے اس نظریہ کو یہ مردود اور متروک قرار دیدیا ہے کہ مشرکانہ روایات کا منجئی عالمین سیدنا مسیح کی اعجازی پیدائش کے بیان پر اثر پڑا ہے اوراب وہ علماء بھی جو اعجازی پیدائش کے قائل نہیں اس مشرکانہ روایات کے نظیریہ کو ترک کئے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر چین[61] اس

[58] Box, Virgin Birth chap 2-5
[59] Usener, Encyclopedia Biblica Vol.111.Art.Nativity.
[60] Mackintosh Person of Jesus Christ.p.529.
[61] Cheyne. Bible Problems .Part.11

نظریہ کو رد کرتاہے۔ اور ڈاکٹر ہارنیک جیسا نقاد کہتاہے کہ یہ" نظریہ کہ مسیح کا کنواری کے بطن سے پیدا ہونا ایک مشرکانہ قصہ تھا جو مسیحیوں نے قبول کرلیا تھا اور ابتدائی مسیحی روایات اور خیالات کے نقیض ہے[62]۔ پروفیسر لوب سٹین جو اعجازی پیدائش کا منکر ہے اس امر کا اقرار کرتاہے کہ اعجازی پیدائش کاقصہ مشرکانہ روایات کے اثر سے پاک[63] ہے۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ پیگن ازم (کفر الحاد) کی رنگت "پانچویں صدی" میں مسیحیت پر چڑھی۔لیکن انجیلی بیانات تو یہودی عیسائیوں کے حلقہ سے متعلق ہیں لہذا آپ کو اس امر کے اقبال میں پس وپیش نہیں کرنی چاہیے کہ ان بیانات میں کفر وشرک کی روایات کا نشان بھی نہیں۔

(۴)

انجیلی بیانات کے اصلی ماخذ

انجیلی بیان کے مصنف کا ثقہ ہونا اس بیان کی صحت پر دال ہے ۔ اس نے اپنی کتاب میں" سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرے"ان سے " جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے" بہم پہنچایا۔ اس کی انجیل کے دیگر حصص کی صحت پر کوئی شک نہیں کرتا بلکہ ان کو صحیح اور مستند مانا جاتا ہے پس وہ حصص ان ابتدائی ابواب کی صحت کے بھی ذمہ وار ہیں اوران کی صحت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ مصنف نے بڑی کاوش سے " شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرے" اپنے بیان کو

[62] Harnack, History of Dogma (English Translation)
[63] Lobstein, Virgin Birth of Christ: p.75 See also p.69 f.

لکھاہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان بیانات کے اصلی ماخذ یوسف اور حضرت مریم ہی ہوسکتے ہیں۔ متی رسول کی انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت یوسف کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے اور لوقا کی انجیل مقدسہ مریم کے نقطہ نظر سے لکھی ہوئی ہے اوران اناجیل کے بیانات کا سرسری مطالعہ بھی ہم پر ظاہر کردیتاہے کہ وہ قوتِ متخیلہ کا نتیجہ نہیں ہیں۔ لوقا کا بیان بالخصوص اس قدرت لطیف الفاظ میں ہے کہ صنفِ نازک کا ہاتھ ہم کو اس میں صاف دکھائی دیتا ہے۔علاوہ ازیں وقت اور مہینوں کی یاد داشت عورتوں سے مخصوص ہے (لوقا ۱: ۲۶، ۳۶، ۵۶) لینگ کہتا ہے کہ " عورتوں کی سی یادداشت اور عورتوں کی دیگر نازک اور لطیف باتیں اس بیان کی خصوصیات میں سے ہیں"۔ اسی طرح پروفیسر ریمزے کہتا ہے کہ " اس تمام بیان میں ایک ایسی نزاکت اور لطافت کی جھلک دکھائی دیتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتاہے کہ ایک عورت نے یہ باتیں لکھوائی ہیں اور آدمی کے منہ سے یہ باتیں نہیں نکلیں[64]"۔ اعمال کی کتاب سے یہ ظاہر ہے کہ مقدسہ مریم رسولوں کے ساتھ رہتی تھیں اور یہ اغلب ہے کہ آپ اپنی عمر کے اختتام تک ان کے ساتھ رہیں فرشتے کی بشارت کے وقت سے سیدنا مسیح کے صعود آسمانی کے وقت تک مقدسہ مریم نے ان تمام واقعات کو اپنے دل میں محفوظ رکھا اور دل ہی دل میں ان پر غور کرتی رہی (لوقا ۲: ۱۹) اور سیدنا مسیح کی زندگی کے آخر تک وہ دل ہی دل میں حیران اور متعجب رہی لیکن مابعد کے واقعات یعنی سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت اور پرُجلال صعود اور کلیسیا میں روح القدس کی معموری اور مسیحیت کی روز افزوں ترقی کی روشنی میں وہ گذشتہ واقعات اوران کے اصلی مطالب ومفہوم کو

[64] Ramsay. Was Christ born at Bethlehem ?p88

سمجھنے لگی اور تب محترمہ نے اپنے بیٹے کی اعجازی پیدائش کی حقیقت کو ابن اللہ کے وفادار شاگردوں پر ظاہر فرمایا اور اغلب یہ ہے کہ جب ۵۷ء میں مقدس لوقا کنعان میں تھا تو اس نے مقدسہ مریم سے اس بیان کی نسبت استفسار کیا[65] اور " شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے" اوراس بیان کی صداقت حاصل کرکے اس حقیقت کو اپنی انجیل میں درج کیا۔

(۵)

انجیلی بیانات کی صداقت

جب ہم انجیلی بیانات کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ان بیانات کی صداقت میں ہم کو ذرا شبہ نہیں رہتا۔ اگر یہ بیانات درحقیقت روایات اور تخیل کا نتیجہ ہوتے تو ان کے طرز تحریر اور خود بیانات میں تخیل کے آثار نمایاں ہوتے اور قصہ کہانی کی صورت ہم کو ان بیانات کے لفظ لفظ میں ملتی ۔ لیکن مسیح کی پیدائش کے انجیلی بیانات سادہ طبعی اور غیر مصنوعی ہیں اور یہ باتیں ان بیانات کی صداقت کا ثبوت ہیں۔ مشرکین کی روایات کوملاحظہ کروانجیل کے بیانات کی سادگی کو ان میں کہیں بھی نہ پاؤ گے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ کا ان بیانات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ خود موضوعہ اناجیل کو لے لو۔ وہاں قوتِ متخیلہ اور روایت نے بے حد مبالغہ کرکے دکھادیا ہے کہ اگر معجزانہ پیدائش کا بیان سچا اور تواریخی نہ ہوتا تو قوتِ متخیلہ اس کو کس پیرایہ میں پیش کرتی ۔ اسی طرح قرآنی بیان کو لے لو۔ روایت اور قوتِ متخیلہ نے

[65] Sunday, Art Jesus Christ in Dictionary of The Bible Vol.11.p.64 note

وہاں رنگ آمیزی کی ہے مثلاً مسیح کا گھوارے میں بولنا وغیرہ جس کی تشریح نے جماعت احمدیہ کے امیر صاحب مولوی محمد علی کو پریشان کررکھا ہے اور وہ پادرہوا تاویلات کو کام میں لاتے ہیں جو نہ عربی محاورہ کے مطابق ہیں اور نہ قرآنی عبارت کے سیاق وسباق کے لحاظ سے درست ہیں۔ صاحب ینابیع الاسلام نے ان آیات قرآنی کا ماخذ بھی بتادیا ہے ۔ پس اعجازی پیدائش کے انجیلی بیانات کی سادگی اور لطافت اس کی تواریخی حقیقت اور صداقت پر گواہ ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ عظیم الشان ہستیوں کے ساتھ دنیا کے ہر ملک میں افسانے وابستہ ہوجاتے ہیں مثلاً افلاطون یونانی فلاسفر ، قیصر اگسطس، ساکی منی گوتم بدھ وغیرہ عظیم الشان ہستیوں کی پیدائش کے گرد دیوی دیوتاؤں کے افسانے جمع ہوگئے خود حضرت رسول عربی کی پیدائش کے متعلق چند افسانے مشہور ہیں۔ مثلاً نور محمدی کا قصہ اور دیگر عجائبات جن کو صاحب مناہج النبوت نے بڑے ذوق کے ساتھ بیان کیا ہے (جلد دوم صفحہ ۱ تا ۴۰) صاحب تاریخ ابوالفدا لکھتا ہے " جب رسول مقبول اس جہان میں پردہ شکم سے جلوہ آرا ہوئے اس وقت کسریٰ کے محل کو ایسی حرکت ہوئی کہ اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور وہ آگ فارس کی جو ہزار برس سے جلتی تھی اور کبھی افسردہ نہ ہوئی یکبار کی ٹھنڈی ہوگئی اور بحیرہ سادہ کا پانی سوکھ گیا"(جلد دوم مطبوعہ امرتسر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲)۔ سید امیر علی صاحب کو بھی ان قصص کے امکان میں کلام[66] نہیں۔ مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت[67] احمدیہ بھی ان معجزات کے قائل ہیں جو رسول عربی کی پیدائش کے وقت ظہور پذیر ہوئے گو

[66] Amir, Ali Spirit of Islam,(Revised Ed.1923) p.9
[67] Mohammad Ali,Mohammad the Prophet,pp.50-52

آپ کو سیدنا مسیح کی اعجازی پیدائش میں کلام ہے۔ لیکن ان قصص کی رنگ آمیزی اور مبالغہ آمیزی ان کے افسانے ہونے پر دال ہے۔ اس کے برعکس انجیلی بیانات کی حیرت انگیز سادگی اور افراط تفریط سے خالی ہونا ان کی صداقت کا نشان ہے یہ دلیل کوئی صحیح العقل شخص تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوگا چونکہ ہر عظیم الشان ہستی کی پیدائش کے ساتھ افسانے اور قصص اور روایات متعلق ہیں اس واسطے سیدنا مسیح جیسی لاثانی اور بے نظیر ہستی کے ساتھ بھی اعجازی پیدائش کا بیان افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ہر صاحب علم شخص مختلف حیرت انگیز بیانات کو صحیح اصول تفسیر کی کسوٹی سے پرکھیگا اوران بیانات میں سے بعض قصص ہیں ان کو افسانے اور صحیح بیان کو امر واقعہ قرار دیگا۔

(۶)

اعجازی پیدائش کے بیان کی تاریخ

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اعجازی پیدائش کا واقعہ کب مسیحی عقائد کا جزو بنا تو ہم اسکا جواب یہ دینگے کہ انجیل متی کے نسب نامہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسب نامہ اہل یہود کے کفر آموز حملات کے جواب میں لکھا گیا تھا کیونکہ اس میں راحب، بیت سبع، اور تمر کا ذکر پایا جاتا ہے اور جو ان یہودی حملوں کا الزامی جواب[68] ہے۔ کہ اگر بفرض محال یہود کے نزدیک مقدسہ مریم نعوذباللہ زانیہ ، تھی تو بھی یہ یسوع کے مسیح ہونے کے دعویٰ کو باطل نہیں

[68] Moffat, Introduction to the Literature of the New Testament.p.251.

کرسکتا کیونکہ داؤد کی نسل کی تاریخ میں راحب ، بیت سبع اور تمر جیسی عورتوں نے نہایت معزز حصہ لیا تھا۔اس الزامی جواب کے بعد وہ بتاتا ہے کہ مقدسہ مریم درحقیقت ایک پاکباز اور عصمت عورت تھی جس کا حمل " روح القدس کی قدرت سے " تھا۔ پس اگر متی رسول کا پہلا باب یہودی کفر وضلالت کے کمینہ حملوں کی مدافعت میں لکھا گیا تو یہ ظاہر ہے کہ خداوند کی معجزانہ پیدائش کا عقیدہ کلیسا میں اس سے بہت پہلے رائج ہوگا جس کی وجہ سے اہل یہود کو موقعہ ملا اور انہوں نے مقدسہ مریم کی پاک ذات پر حملے کئے۔ پس ہم پر یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ پہلی صدی مسیحی کے نصف کے قریب یہ عقیدہ مسیحی ایمان کا جزو بن گیا تھا اور اس سے پہلے کہ یہ عقیدہ کلیسا میں رائج ہو کر جزو ایمان بنے یہ حقیقت پرائیوٹ طور پر چند عقیدہ تمند احباب کو ضرور معلوم ہو گی۔ چنانچہ ونسنٹ ٹیلر جیسا محتاط نقاد کہتا ہے کہ " ہم صحیح طور پر یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ یہ امر لوگوں پر ظاہر ہوا پرائیوٹ طور پر یہ حقیقت حلقہ احباب میں معلوم تھی کیونکہ ابتدائی مسیحی جماعتوں میں اس عقیدہ کے رائج ہونے کے لئے کچھ مدت چاہیے ۔ پس اس سے پہلے کہ یہ عقیدہ دور دراز کے مقامات کی کلیساؤں میں پہلی اور تیسری اناجیل کی تصنیف سے پیشتر مروج ہو کر مسیحی عقائد کا جزو بنے یہ لازم تھا کہ حلقہ احباب میں یہ حقیقت معلوم ہو یوں اس عقیدہ کی قدامت منجی عالمین کی وفات کے چند سال بعد تک پہنچ جاتی ہے۔[69]

[69] Vincent Taylor, Virgin Birth: p.119.

معجزانہ پیدائش کا عقیدہ اور مسیحی کلیسیا

اگر ہم آبائے کلیسیا کی تحریرات کا مطالعہ کریں تو ہم پر ظاہر ہوجائے گا "شہنشاہ قسطنطین کے عیسائی ہونے سے صدیوں پہلے مشرق ومغرب کی کلیسیائیں منجی عالمین کی اعجازی پیدائش کو اپنے عقیدہ کا جزو مان چکی تھیں۔ ہم نے شہنشاہ قسطنطین کا ذکر اس واسطے کیا ہے کیونکہ خواجہ صاحب کے خیال میں اس کو " اپالو سے اس قدر محبت تھی " کہ اس نے " سورج کے مذہب کے ہر رنگ میں قائم " رکھ کر اپالو کی کرُسی پر جناب مسیح کو بٹھادیا صفحہ ۶۳ ۔ قسطنطین تو چوتھی صدی مسیحی میں عیسائی ہوا تھا ہم آپ کو پہلی اور دوسری صدی مسیحی کے آبائے کلیسیا کی تحریرات دکھاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں جہاں مسیحیت پھیل چکی تھی وہاں اعجازی پیدائش کا عقیدہ جزو ایمان بن گیا تھا۔

اول۔ آئیرینوس ۱۹۰ ء میں لکھتا ہے" اگرچہ کلیسیا تمام دنیا میں اقصائے زمین تک پھیل گئی ہے تاہم سب نے رسولوں اوران کے شاگردوں سے یہ ارکان دین سیکھے ہیں کہ ہم ایک خدا باپ پر جو قادر مطلق ہے ایمان رکھتے ہیں اور ایک یسوع مسیح پر جو خدا کا بیٹا ہے جو ہماری نجات کے لئے مجسم ہوا اور روح القدس پر اور کنواری سے مسیح کے پیدا ہونے پر اور اس کی موت اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں----۔ پس گو کلیسیا تمام روئے زمین پر پھیل گئی ہے تو بھی ہم ایک دل جان ہو کر اور ہم آواز ہو کر ان باتوں کی منادی کرتے اور دوسروں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں"۔ پھر وہ کہتا ہے کہ جرمنی، ہسپانیہ ، گال، مشرق ، مصر، لبیہ اور اطالیہ کی کلیسیائیں یہی تعلیم دیتی ہیں۔

دوم۔طرطولین کی تحریرات جو روما اور کارتھیج کی کلیسیاؤں کے خیالات کا آئینہ ہیں خداوند کی اعجازی پیدائش پر ایمان ثابت کرتی ہیں۔ وہ لکھتاہے "ہمارا ایمان ایک ہی ہے جو لاتبدیل ہے کہ ہم ایک خدا قادر مطلق پر ایمان رکھتے ہیں جس نے دنیا بنائی اوراس کے بیٹے جنابِ مسیح پر جو کنواری مریم سے پیدا ہوا پنطوس پلاطوس کے عہد میں مصلوب ہوا۔۔۔ الخ۔

سوم۔ اوریجن جس کا تعلق سکندریہ کی کلیسیا سے ہے کہتا ہے کہ" کلیسیا کی تعلیم میں جورسولوں سے لے کر پشت در پشت سلسلہ وار دورِ حاضرہ تک چلی آئی ہے یہ عقیدہ شامل ہے کہ جنابِ مسیح روح القدس کی قدرت سے کنواری سے پیدا ہوا اور حقیقی انسان بنا۔۔۔۔ الخ"۔ پھر مسٹر سیلس کے کفر توڑحملوں کے جواب میں لکھتاہے " کون ہے جس نے یہ نہیں سنا کہ مسیح کنواری کے بطن سے پیدا ہوا مصلوب ہوا اور پھر جی اٹھا۔۔۔الخ۔۔

چہارم۔ کلیمنٹ جو سکندریہ کا بشپ تھا ۱۹۰ء میں لکھتاہے کہ" مسیحی ایمان کا لب لباب یہ ہے کہ "ابن اللہ مجسم ہوا اور کنواری کے بطن سے پیدا ہوا۔۔۔ مصلوب ہوا اور پھر جی اٹھا۔۔۔۔ الخ۔

پنجم۔ جسٹن شہید جو افسس اور روم کی کلیسیاؤں میں رہ چکا تھا ۱۵۰ء میں اپنی کتاب "مکالمات" میں کہتاہے " اس شخص کے نام سے تمام بدروحیں مغلوب ہوجاتی ہیں جو ابن اللہ ہے وہ تمام خلقت سے پہلے مولود تھا اور کنواری سے پیدا ہوکر انسان بنا اس کو تمہارے بھائیوں (یعنی یہود) نے پنطوس پلاطوس کے عہد میں مصلوب کیا۔۔۔ الخ۔

ششم۔ یونان کا مسیحی فلاسفر ایرسٹیڈیز ۱۲۶ء میں اپنے معذرت نامہ میں کہتا ہے کہ " ہم ایک خدا قادرِ مطلق پر ایمان رکھتے ہیں جو آسمان وزمین کا خالق ہے اوراس کے بیٹے عیسیٰ مسیح پر جو کنواری مریم سے پیدا ہوا۔۔۔ الخ۔۔ یہ وہی شخص ہے جس کے معذرت نامہ سے اقتباس کرکے ہم دکھا چکے ہیں کہ وہ مشرکانہ قصص کو کس نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

ہفتم۔ انطاکیہ کے اسقف اگنیشیس نے اپنی شہادت سے پہلے ۱۱۰ء میں لکھا کہ مسیح کا کنواری کے بطن سے پیدا ہونا اور اس کا مصلوب ہونا ایسے حقائق ہیں جن کو کلیسیا ہر جگہ مانتی ہے اور جن کی منادی کلیسیا کرتی ہے۔

ہشتم۔ دورِ حاضرہ کا عقیدہ جس پر مشرق ومغرب کی کل کلیسیاؤں کا اتفاق ہے بالعموم " رسولی عقیدہ "کہلاتا ہے۔ اس میں ذیل کے الفاظ ہیں" میں خدا قادر مطلق باپ پر ایمان رکھتا ہوں جو آسمان وزمین کا خالق ہے اور یسوع مسیح پر جو اس کا ابن وحید اور ہمارا خداوند ہے وہ روح القدس کی قدرت سے پیٹ میں پڑا کنواری مریم سے پیدا ہوا۔ پنطوس پلاطس کی حکومت میں دکھ اٹھایا"۔۔۔ الخ یہ الفاظ قدیمی رومی عقیدہ کے الفاظ تھے اور کیٹن بش کا خیال[70] ہے کہ یہ الفاظ ۱۰۰ء میں مغربی عقیدہ کے جزو تھے۔

چونکہ ہمیں اختصار مد نظر ہے اورہم اقتباسات سے پرہیز[71] کرتے ہیں۔ ہر ذی شعور شخص پر روشن ہو گیا ہوگا کہ کلیسیا نے پہلی صدی سے ہی منجئی عالمین کی اعجازی پیدائش کو مسیحی ایمان کا جزو قرار دیا ہوا تھا۔ اور دوسری صدی کے شروع میں روم، یونان، افریقہ، ایشیا، شام، کنعان، سکندریہ جیسے دور دراز مقامات کی کلیسیاؤں میں یہ عقیدہ رائج تھا۔اس عقیدہ کو نہ صرف راسخ

---

[70] Kattenbusch, quoted by Box in Virgin Birth p.151. See also Schmiedel, Encyclopedia Biblica vol.111. Art. Ministry.
[71] For further references see Knowling, Our Lord's Virgin Birth.pp.72-87 Gore's Dissertations and Box, Virgin Birth.

الاعتقاد مسیحی کلیسائیں مانتی تھیں بلکہ وہ بدعتی کلیساؤں کا بھی جزوایمان تھا۔ صرف سر نتھس بدعتی خداوند کی اعجازی پیدائش کا قائل نہیں تھا کیونکہ وہ تجسم کا قائل نہ تھا اس واسطے کہ وہ مادہ کو بذات خود بُری شے مانتا تھا۔ ابیو نیطی بدعتی یہودی عیسائیوں کی نہایت قلیل جماعت بھی اعجازی پیدائش کی قائل نہ تھی کیونکہ وہ بھی تجسم کے اصول کی قائل نہ تھی۔ باستشنائے ان دو کے تمام جہان کی کلیسائیں باتفاق رائے ابتدا ہی سے مسیحی صدیوں کے دوران میں اس امر کی جزو ایمان مانتی چلی آئی ہیں کہ منجئی عالمین سیدنا مسیح مبارک کنواری مریم صدیقہ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے تھے۔

(۷)

سائنس اور اعجازی پیدائش

ہم نے منجئی کونین کی معجزانہ پیدائش پر سائنس کے پہلو سے نظر نہیں کی اور نہ ہم اس بحث کو یہاں چھیڑنا چاہتے ہیں وہ وقت گذر گیا ہے جب صاحب علم لوگ معجزات کا انکار کیا کرتے تھے۔ اب کوئی با بصیرت شخص یہ نہیں کہتا کہ معجزات ناممکنات میں سے ہیں۔ ہکسلے نے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ " میرے نزدیک معجزات کے امکان کا انکار ایسا ہی بے بنیاد خیال ہے جیسا دہریت کا خیال بے بنیاد[72] ہے۔" پس سائنس کی رو سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سیدنا مسیح کی معجزانہ پیدائش واقع نہیں ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں ہم میں اور خواجہ کمال الدین صاحب میں یہ امر متنازعہ فیہ بھی نہیں ہے۔ کم از کم جیسا ہم اسی فصل میں دکھادینگے قرآن اعجازی پیدائش کا قائل ہے۔

[72]Huxley in a latter to the Spectatore,dated Feb.10th 1866

(۸)

احمدی جماعت اور اعجازی پیدائش کا عقیدہ

خواجہ کمال الدین صاحب کے پیر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نبی اور ان کے مریدوں نے سیدنا مسیح کی اعجازی پیدائش کے متعلق عجیب وطیرہ اختیار کیا ہے ۔مرزا صاحب کے الہامی الفاظ کبھی تو اعجازی پیدائش کا اقرار کرتے ہیں اور کبھی انکار۔ چنانچہ ایک طرف توآپ فرماتے ہیں کہ" اسلام نے وحی الہیٰ کی اطاعت سے اس قسم کے حمل کو مان لیا ہے اس لئے ایمانی رنگ میں نہ کسی دلیل سے مسلمانوں کو قبول کرنا پڑا کہ ایسا ہی ہوگا "پھر فرماتے ہیں کہ" قرآن شریف کا مسیح اوراس کی والدہ پر احسان ہے کہ کروڑہا انسانوں کی یسوع کی ولادت کے بارے میں زبان بند کردی ورنہ اگر قرآن بھی وہی رائے حضرت مسیح کی ولادت اوران کی ماں کے چال چلن کی نسبت ظاہر کرتا تو تمام دنیا اسی کثرت رائے کی طرف مائل ہوجاتی" گویا کسی امر کی صداقت یا بطالت کثرت رائے پر موقوف ہے؟ پھر ایک جگہ آپ سرسید احمد کو ڈانٹتے ہیں کہ انہوں نے " اس خیال کو ظاہر کیا کہ درحقیقت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام اپنے باپ یوسف کے نطفہ سے تھے"۔

آپ ایک اورجگہ لکھتے ہیں:

(۱۔)"ہمارے اعتقاد میں سے یہ بھی ہے کہ عیسیٰ ویحییٰ خرق العادت طور پر پیدا ہوئے"۔

(۲۔) "پہلا کلام جو اللہ نے اس ارادہ کے لئے کیاوہ یہ ہے کہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے اپنی یکتا قدرت سے پیدا کیا"۔

(۴۳-)جولوگ اس کی بے باپ پیدائش سے انکار کرتے ہیں -انہوں نے اللہ کے قدر کوجیسا کہ اس کا حق ہے نہیں جانا"۔(مواہب الرحمٰن صفحہ ۷۰)۔

مذکورہ بالاالہامی پیدائش سے یہی ظاہر ہوتاہے کہ حضرت مرزاصاحب سیدنا مسیح کی اعجازی پیدائش کے قائل تھے۔ لیکن اس پنجابی نبی کے دیگر الہامی الفاظ سے اس واقعہ کا انکار لازم آتا ہے۔ چنانچہ آپ یہود کے انہی" فحش اور نہایت ہی ناپاک قسم کے بہتان" عیسائیوں کے خلاف دہراتےہیں

ع ایں چہ مے شنوم بہ بیداریست یارب یا بخواب

آپ نہ صرف ان ناپاک اعتراضوں کو دہراتےہیں بلکہ ہندوؤں کے پرُانوں کے قصوں اوریونانیوں کے افسانوں میں اعجازی پیدائش کی نظیر ڈھونڈتےہیں اور مخالفین صداقت کے ہمزبان ہوکر بھول جاتےہیں کہ ضربتہ علیھم الذالتہ الخ(۲: ۱۰۸)وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اللہ نے یہودپر ذلت ڈالی اور وہ خدا کا غضب لئے پھرتےہیں آپ سوال کرتےہیں کہ" کیوں جائز نہیں کہ صدیقہ کے حمل کے لئے کوئی مخفی صدیق ہو" اورپھر فرماتے ہیں کہ " لوگوں کو اس جدید منطق کی طرف راہ نہیں کہ کیونکر روح القدس کنواری عورتوں کوعطیہ حمل عطا کردیا کرتا ہے" (جل جلالہ) ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ پھر کتاب ینابیع الاسلام سے چڑ کر جب جواب بن نہ آیا تو فرماتےہیں" کس درجہ کے خبیث طبع یہ لوگ (یعنی عیسائی) ہیں کہ بیہودہ اعتراض کرکے خوش ہوتےہیں۔۔۔مگر یہ لوگ اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے اور نہیں دیکھتے کہ انجیل کس قدر اعتراضات کا نشانہ ہے۔ دیکھو یہ کس قدر اعتراض ہے کہ مریم کوہیکل کی نذ کردیا گیا تھاتاوہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ ہو اور تمام عمر خاوند نہ کرے۔ لیکن جب چھ سات مہینہ کاحمل ظاہرہوگیا تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک نجار سے نکاح کردیا اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دوماہ کے بعد مریم کولڑکا پیدا ہوا وہی عیسیٰ یا مسیح کے نام سے موسوم ہوا۔ اب اعتراض یہ ہے کہ اگردر حقیقت معجزہ کے طور پر یہ حمل تھا تو کیوں وضع حمل تک صبر نہ کیا گیا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مریم مدت العمر ہیکل کی خدمت میں رہیگی پھر کیوں عہد شکنی کرکے اوراس کو خدمت بیت المقدس سے الگ کرکے یوسف نجار کی بیوی بنایا گیا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ توریت کی رو سے یہ بالکل حرام اورناجائز تھا کہ حمل کی حالت میں کسی عورت کا نکاح کیا جائے پھر کیوں خلاف حکم توریت مریم کا نکاح عین حمل کی حالت میں یوسف سے کیا گیا حالانکہ یوسف اس نکاح سے ناراض تھا اوراسکی پہلی بیوی موجود تھی وہ لوگ جو تعداد ازواج کے منکرہیں شاید ان کی یوسف کے اس نکاح کی خبر نہیں۔ غرض اس جگہ ایک معترض کا حق ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ اس نکاح کی یہی وجہ تھی کہ قوم کے بزرگوں کو مریم کی نسبت ناجائز حمل کا شبہ پیدا ہوگیا تھا۔ اگرچہ ہم قرآن شریف کی رو سے یہ اعتقاد رکھتےہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے تھاتا خدا تعالیٰ یہودیوں کو قیامت کا نشان دے اور جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزارہا کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہوجاتےہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے بلکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا بعض قویٰ سے محروم رہنے پر دلالت کرتاہے۔ القصہ حضرت مریم کا نکاح صرف شبہ کی وجہ سے ہوا تھااور نہ جو عورت کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر ہوچکی تھی اس کے نکاح سے بڑے فتنے پیدا ہوتے" (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۵)۔

ہمارا پنجابی نبی معاندتِ مسیح و مسیحیت کے جوش میں اعتراض پر اعتراض کرتا چلا جاتا ہے اور اس کا الہام اس کو یہ نہیں بتاتا کہ جس چیز پر تو اعتراض کررہا ہے وہ انجیل میں نہیں بلکہ قرآن وحدیث میں ہے۔

ناصح کھے سنے پہ ہمارا عمل نہیں　　　جوجی میں آگیا وہ کیا کوئی کچھ کھے

چنانچہ آپ یہی اعتراضات کتاب کشتی نوح کے صفحہ ۱۶ پر دہراتے ہیں۔ اس الجھی ہوئی تحریر سے ہم کو یہ دکھانا منظور ہے کہ قادیاں کا صاحب الہام خود تذبذب کی حالت میں ہے اور کبھی اعجازی پیدائش کا انکار کرتا ہے اور کبھی اسلام اور مسلمانوں کے ڈر کے مارے اس کا اقرار کرتا ہے کہ آپ کی دورنگی "منکر مے بودن وہم رنگ مستاں زیستن" کی مصداق ہے

شیشہ مے بغل میں پنہاں ہے　　　پھر بھی دعویٰ ہے پارسائی کا

مرزا صاحب قادیانی تو فوت ہوگئے اور مرتے دم تک یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ آیا وہ مسیحیت کی معاندت میں اعجازی پیدائش کے واقعہ کا انکار کریں اور یہود کے "فحش اور نہایت ہی ناپاک" حملوں کو دہرائیں " یا" وحی الہیٰ کی اطاعت" میں اس واقعہ کا اقرار کریں۔

جب تک مرزائی جماعت کے خلیفہ اول حکیم نورالدین صاحب زندہ رہے مولوی محمد علی صاحب۔ ایم ۔ اے جناب مسیح کی اعجازی پیدائش کے قائل رہے ۔ چنانچہ ذیل کے الفاظ اس امر پر گواہ ہیں" مسیح کی پیدائش ایک ایسے اعجازی رنگ میں ہوئی تھی جس میں باپ کا دخل نہ ہوا اور اس لئے مسیح کو کلمہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ معمولی طرز پر باپ کے نطفہ سے ماں کے شکم میں نہ آیا اور وہ اس معمولی طریق سے حاملہ نہ ہوئی بلکہ خدا کے کلمہ کنُ سے حاملہ ہوئی ۔ اس لئے اسے کلمہ کہا گیا (ریویو بابت ماہ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴، ۱۵، منقول از اہل حدیث ۱۱ جنوری ۱۹۲۹ء۔

لیکن جب قادیانی گدی پر میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب جلوہ گر ہوئے اور آپ لاہوری جماعت کے امیر بن گئے تو آپ نے جناب مسیح کی اعجازی پیدائش کے واقعہ کا انکار کردیا۔

ستم ہوگیا راز دل کھل گیا　　　چھپاتے چھپاتے خبر ہوگئی

آپ قرآنی آیہ قالت رب انی یکون لی ولد ولمہ یمسنی بشر (یعنی اے میرے پروردگار میرے ہاں کیسے لڑکا ہوسکتا ہے جس حال کہ کسی مرد نے مجھ کو چھوا تک نہیں) کی تشریح میں کہتے ہیں" ان الفاظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مریم قدرت کے معمولی طریقہ کے مطابق حاملہ نہیں ہوگی" انگریزی ترجمہ صفحہ ۵۶ پھر ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں کہ" اس کے برخلاف حضرت مسیح کا معمولی انسانوں کی طرح پیدا ہونا قرآن کریم میں صاف مذکور ہے" (رسالہ حقیقت المسیح ازروئے قرآن وبائبل صفحہ ۷) جل جلالہ !!

لاہوری جماعت نے اپنے پیر صاحب کے الہامی الفاظ کو جن کی رُو سے بروئے قرآن اس واقعہ کا اقرار لازم آتا ہے بالائے طاق رکھ کر علانیہ کہہ دیا کہ قرآن اعجازی پیدائش کا سرے سے قائل ہی نہیں۔

کیا عجب مرقد لیلےٰ سے جو آئے یہ صدا

میرے مجنوں کیا ہوا حال تیرا میرے بعد

قادیانی اخبار انگریزی" لائٹ" کا مدیر ایک مسلمان کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا" حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر نہیں تو قرآن سے ثابت کرو" کہتا ہے" قرآن شریف سے حضرت عیسیٰ کی اعجازی

پیدائش کے نظریہ کو سہارا نہیں ملتا۔ برعکس اس کے صاف طور پر قرآن کہتاہے کہ اس کی پیدائش دیگر انسانوں کی طرح واقع ہوئی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ ان مثل عیسےٰ عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" پھر مدیر لائٹ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں کہتاہے کہ " مسیح کی اعجازی پیدائش اسلامی ایمان کا جزو نہیں ہے" اللہ اللہ

ع ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلماں کروند

کہاں ملہم پیر صاحب کا قول کہ " ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتاہے کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہے۔ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں" (الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء)اورکہاں مرید صاحب کا اپنے مرحوم پیر کی تکذیب میں یہ کہنا کہ" اعجازی پیدائش اسلامی ایمان کاجزو ہی نہیں" اور کہ " اعجازی پیدائش کے نظریہ کو قرآن سے کہیں سہارا نہیں ملتا" اور خواجہ صاحب کا مسیح کی اعجازی پیدائش کو مشرکانہ روایت قرار دینا!!

ع بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

ہم پہلے اہل یہود کے ان فحش اور نہایت سی ناپاک" اور کمینہ بہتانوں کی" تحقیق کرینگے جو حضرت مریم مقدسہ کی " پاکدامنی پر لگائے جاتے تھے" اور جن کو حضرت مرزا صاحب باوجود اس حقیقت کے کہ" انہی بہتانوں کی وجہ سے یہود پر پھٹکار پڑی" بڑے مزے سے مسیحیت کی ضد میں بار بار دہراتے ہیں اور پھر ان نام نہاد مسلمانوں کی مسلمانی کو طشت از بام کرینگے۔

اہل یہود کے کمینہ بہتانوں" کی نسبت ہم ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہیں لکھینگے بلکہ مشہور یہودی ربی ڈاکٹر کلاسنر کی[73] کتاب " یسوع ناصری" سے اقتباسات کرینگے تاکہ انصاف پسند اور ارباب دانش بجائے خود فیصلہ کرلیں کہ ان بہتانوں میں جو مرزا صاحب بڑے خط سے دہراتے ہیں کہاں تک صداقت ہے۔ انجیل جلیل سے معلوم ہوتاہے کہ مقدسہ مریم کے ہم عصر یہود نے آپ پر کبھی کسی قسم کا الزام نہیں لگایا۔ خداوند کے ہمعصر یہودی آپ کو یوسف اور مریم کا بیٹا خیال کرتے تھے (متی ۱۳: ۵۵) مدت مدید بعد جب یہود اور مسیحی ایک دوسرے کے مخالف ہوگئے تو اہل یہود نے مقدسہ مریم پر یہ الزام لگایا کہ آپ نعوذ باللہ ایک رومی سپاہی بنام پنڈیرا کے ساتھ مرتکب زنا ہوئی تھیں اور یسوع بن پنڈیرا تھا۔

اس کی نسبت یہ مستند یہودی عالم لکھتاہے " ہم یہ ہرگز فرض نہیں کرسکتے کہ کوئی رومی سپاہی بنان پنڈیرا یا پنتھیرا اس نام کوئی شخص تھا اور اس کے یسوع کی ماں کے ساتھ جائز تعلقات تھے کیونکہ یسوع کا رومی سپاہی سے پیدا ہونا ایک محض ایک قصہ ہے جس کی ابتدا عیسائیوں کی اعجازی پیدائش کے عقیدہ کی ضد کی وجہ سے ہوئی۔ پھر اس عجیب نام کا کیا ماخذ ہے؟ اصلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پنڈیرا یا پنتھیرا اس دراصل پارتھینوس کا محرف ہے جس کے معنی "کنواری" کے ہیں۔ اہل یہود عیسائیوں کی زبانی (جن کی اکثریت قدیم سے یونانی بولنے والوں کی تھی) یہ سنتے تھے کہ یسوع" پارتھینوس کا بیٹا" (یعنی کنواری کا بیٹا)ہے پس وہ ازراہ مذاق وطعنہ یسوع کو" بن پانپیرا" (چیتے کا بیٹا) کہتے تھے۔ آہستہ آہستہ لوگ بھول گئے کہ یسوع کی کنیت" ابن پارتھینوس"

---

[73] Dr.Klausner, Jesus of Nazareth.

(کنواری کا بیٹا) تھی اورانہوں نے کہنا شروع کردیا کہ پنتیرا یا پنتھیرا اس یاپنڈیرا اس کے باپ کا نام تھا اورچونکہ یہ نام یہودی نہیں تھا لہذا اس قصہ کی ابتدا ہو گئی کہ یسوع کا باپ ایک غیر قوم تھا اورچونکہ یہودیہ میں اس وقت رومی افواج رہتی تھیں لہذا یہ نتیجہ نکالا گیا کہ یسوع کی ماں مریم ایک رومی سپاہی کے ساتھ زنا کی مرتکب ہوئی تھی" صفحہ ۲۳: ۲۴ پھر یہی یہودی ربی کہتا ہے" یسوع کے ولد الزنا ہونے کی روایت تاریخی بنیاد پر قائم نہیں ہے اوراس کی ابتدا اس واسطے ہوئی کیونکہ مسیحی عقیدہ یہ تھا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا"۔ صفحہ ۳۶۔ جس یہودی کی کتاب میں اس بہتان کا ذکر ہے اس کی نسبت یہ یہودی فاضل کہتاہے کہ" یہ کتاب تاریخ کہلانے کی کسی طرح بھی مستحق نہیں" صفحہ ۵۱ ۔ پھر کہتاہے کہ" یہ کتاب کسی پہلو سے بھی تاریخی وقعت نہیں رکھتی اور مسیح کی زندگی کے واقعات معلوم کرنے کے لئے اس کی قدر صفر سے بھی کم ہے" صفحہ ۵۳ کیا اب بھی مرزا صاحب کے یہودی صفت مرید یہود کے کمینہ بہتانوں" کو دہرا کر صداقت کے دشمن بنے رہینگے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دورِ حاضرہ کے یہود جن کو قرآن " ناخلف" اور "سیاہ باطن " قرار دیتا ہے موجودہ زمانے کے مومن مسلمانوں بلکہ ملہم نبی سے زیادہ ایماندار اور صداقت پسند ہیں اللھمہ اھد قومی فالھمہ لا تعلمون ۔

(۹)

اعجازی پیدائش اوراسلام

اب ہم قرآن کے اور انجیل کے متن کا ترجمہ بالمقابل دکھا کر انصاف پسند ناظرین کے روبروپیش کرتے ہیں تاکہ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ آیا اعجازی پیدائش کا نظریہ قرآن شریف اورانجیل شریف میں یکساں ہے یا کہ نہیں۔

(نوٹ) ۔ قرآن کا ترجمہ فیض بخش ایجنسی فیروزپور کا اور انجیل کا ترجمہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور کا ہے)۔

انجیل جلیل	
چھٹے مہینے اللہ وتبارک تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گلیل کے ایک شہر ناصرت میں ایک کنواری کے پاس بھیجا۔ جن کی منگنی حضرت یوسف نامی کے ایک شخص سے ہوچکی تھی۔ جوحضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اس کنواری کا نام حضرت مریم بتولہ تھا۔فرشتہ نے آپ کے پاس آکر کہا سلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبارکاتی ۔ تم پر بڑا فضل ہوا ہے ، پروردگار تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت مریم صدیقہ فرشتہ کا یہ کلام	پرہیزگار ہے۔کہا میں تو تیرے رب کا رسول ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں ۔وہ بولی میرے لڑکا کیونکر ہوگا اور کسی آدمی نے مجھے نہیں چھوا اورمیں ہر گز بدکار نہیں۔ بولا یونہی ہوگا ۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اورہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو آدمیوں کے لئے معجزہ اوراپنی طرف سے رحمت بنائیں اوراس پیدائش کامعاملہ ازل سے مقرر ہے (کہ بے پدر ہو)سورہ مریم آیات ۱۶ تا ۲۲۔ " اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم

سن کر گھبرائیں اور سوچنے لگیں کہ یہ کیسا سلام ہے لیکن فرشتہ نے آپ سے فرمایا: مریم تم خوف نہ کرو تم پر پروردگار کی مہربانی ہوئی ہے۔ تم حاملہ ہوگی اور تمہارے بیٹا پیدا ہوگا تم اس کا نام عیسیٰ رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا اور پروردگار کا محبوب کہلائے گا۔(لوقا ۱: ۲۶ تا ۳۰)۔

اب سیدنا عیسیٰ المسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بتولہ کی منگنی حضرت یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روحِ پاک کی قدرت سے حاملہ پائی گئیں۔(۱۹) پس ان کے شوہر حضرت یوسف نے جو متقی اور پرہیزگار تھے اور آپ کو بدنام کرنا نہیں چاہتے تھے آپ کو چپکے سے چھوڑدینے کا ارادہ کیا۔(۲۰)وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہے تھے کہ پروردگار کے فرشتہ نے آپ کو خواب میں دکھائی دے کر کہا

اللہ نے مجھے پسند کیا اور تجھے پاک کیا اور سارے جہان کی عورتوں پر تجھے برگزیدہ کیا۔۔۔۔ اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے خوشخبری سناتا ہے اپنے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح مسیح عیسیٰ ابن مریم وہ دنیا اور آخرت میں عزت والا اور مقربین میں سے ہے۔ وہ لوگوں سے گھوارہ میں اور پوری عمر کا ہو کے کلام کریگا اور وہ نیک بختوں میں ہے۔ مریم بولی اے میرے رب میرے لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا۔ فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے وہ جب کوئی کام ٹھہراتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ہوجا سووہ ہوجاتا ہے "(آل عمران ۳۷تا۴۳)۔

"جب اللہ کہیگا اے عیسیٰ بن مریم میرا احسان یاد کر جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کیا تھا جب میں نے روح القدس سے تیری مدد کی" مائدہ آیت ۱۰۹۔

اے یوسف ابن داؤد! اپنی زوجہ مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈرو کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح پاک کی قدرت سے ہے (۲۱)اس کے بیٹا ہوگا اور تم اس کا نام عیسیٰ رکھنا وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔(متی ۱: ۱۸ تا ۲۲)۔

پھر مریم لڑکے کو اپنے لوگوں کے پاس گود میں لائی بولے اے مریم تونے بہت بُری حرکت کی۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ بد آدمی نہ تھا اور تیری ماں بھی بدکار نہ تھی۔اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے ہم اس سے جو گھوارہ میں بچہ ہے کیونکر کلام کریں۔ بچہ بولا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب(انجیل) دی اور نبی بنایا اور مجھے مبارک کیا جہاں کہیں میں ہوں " سورہ مریم آیات ۲۸ تا ۳۲۔

اب قرآن شریف اور انجیل جلیل دونوں کے الفاظ کو پڑھ کر کوئی ذی ہوش شخص اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ جس طرح انجیل جلیل میں سیدنا مسیح کی پیدائش کا ذکر ہے بعینہ انہی معنوں میں قرآن شریف بھی اعجازی پیدائش کا قائل ہے۔لیکن امیر جماعتِ احمدیہ پادرہوا تاویلات کرتے ہیں جو قرآنی مطالب اور عربی محاورہ کے سراسر خلاف ہیں۔ ہم ناظرین کی توجہ رسالہ" عیسیٰ ابن مریم" مصنفہ پادری سلطان محمد خان صاحب کی طرف رجوع کرتے ہیں

جہاں مفصل اور مبسوط طور پر اس مضمون پر بحث کی گئی ہے اور مولوی محمد علی صاحب کی قرآن دانی کی قلعی کھولی گئی ہے۔ مولوی صاحب!

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی　ببری رونق مسلمانی

اب ہم خواجہ کمال الدین صاحب سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر کنواری سے پیدا ہونے کی مشرکانہ روایات انجیل میں" شماسی طبیعت" مسیحیوں نے داخل کردیں تو قرآن عربی میں جس کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ لوح محفوظ پر کندہ ہے اور بذریعہ وحی نازل ہوا ہے یہ مشرکانہ روایات کس طرح داخل ہوگئیں۔ ہم نے انجیلی اور قرآنی بیانات کا مقابلہ کرکے دکھادیا ہے کہ دونوں بیانات درحقیقت ایک ہی ہیں اور بنیادی تصور دونوں بیانات کا ایک ہی ہے حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ پس اگر انجیلی بیان کا مشرکانہ روایت کا نتیجہ ہے تو قرآنی بیان بھی مشرکانہ روایت کا نتیجہ ہوگا۔ لیکن اگر قرآنی بیان میں مشرکانہ روایت کا دخل نہیں اور وہ صحیح ہے تو ثابت ہوگیا کہ انجیلی بیان کا دامن بھی مشرکانہ روایت سے پاک ہے اور تواریخی طور پر صحیح ہے۔ پس خواجہ صاحب کے آگے دوراہ کھلے ہیں یا تو قرآن شریف میں مشرکانہ روایات کا دخل نہیں مانیں یا رسالہ ینابیع المسیحیت کے دعاوی کو غلط اور انجیل شریف کو صحیح تسلیم کریں۔ جس کی صحت کو ہم نے مورخانہ اصول درائیت کے مطابق ثابت بھی کردکھایا ہے۔ خواجہ صاحب!

تو برادج فلک چہ دانی چیست
کہ ندانی کہ درسرائے توکست

باب ہفتم

اناجیل ثلاثہ اور مقدس پولوس کی تعلیم

پولوس رسول کا دعویٰ

پولوس رسول اپنے خطوط میں بار بار اپنے نومریدوں کو کہتا ہے کہ وہ ان کو وہی تعلیم دیتا ہے جو خود اس کو ملی تھی اور جو دیگر رسول اپنی اپنی کلیسیاؤں کو دیتے تھے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ" میں تمہیں وہی خوشخبری جتائے دیتا ہوں جو پہلے دے چکا ہوں ---۔ اسی کے وسیلے سے تم کو نجات بھی ملتی ہے بشرطیکہ وہ خوشخبری جو میں نے تم کو دی تھی یاد رکھتے ہو۔ چنانچہ میں نے سب سے پہلے تم کو وہی بات پہنچادی جو مجھے پہنچی تھی" (۱کرنتھیوں ۱۵: ۱تا۳)۔ پھر رسول مقبول فرماتا ہے " یہ بات مجھے خداوند سے پہنچی اور میں نے تم کو پہنچادی"(۱کرنتھیوں ۱۱: ۲۳) پھر فرماتا ہے "۔ ہم ان لوگوں کی مانند نہیں جو خدا کے کلام میں آمیزش کرتے ہیں بلکہ دل کی صفائی سے اور خدا کی طرف سے خدا کو حاضر جان کر مسیح میں بولتے ہیں" (۲کرنتھیوں ۲: ۱۷)لیکن خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ پولوس رسول کی انجیل جناب مسیح کی انجیل سے بالکل مختلف ہے آپ کہتے ہیں کہ یونانیوں اور رومیوں کی روایات، عقائد اور طرز عمل کے مطابق پولوس نے مسیح کے نام پر ایک نیا مذہب تیار کردیا(صفحہ ۱۲۶)(مسیح کا) ایسی تعلیمات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے جس کی پہلی بنیاد پولوس جیسے انسان نے ڈالی "صفحہ ۱۲۲ پولوس رسول جیسے عظیم الشان

شخص کی شان کے خلاف جو ناسزا الفاظ حضرت خواجہ صاحب نے (صفحہ ۱۲۲، ۱۲۵) فرمائے ہیں ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔

ع بدم گفتی وخورسندم جزاک اللہ نکو گفتی

ہم خواجہ صاحب کو قرآنی حکم" ولاتجادلوا اھل الکتب الابالتی احسن" یاد دلانے پر اکتفا کرکے اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں ہم مقدس پولوس کی تعلیم کا ایک ایک حصہ لے کر اور مفصل طور پر منجئی عالمین کی تعلیم کے ساتھ مقابلہ کرکے ناظرین پر انشاء اللہ ثابت کردیں گے کہ پولوس رسول کا مذکورہ بالادعویٰ حق اور خواجہ کا دعویٰ باطل ہے۔ چونکہ خواجہ صاحب کے خیال میں انجیل چہارم معتبر نہیں ہے۔لہذا ان کی خاطر اتمام حجت کے لئے ہم صرف اناجیل ثلاثہ کی تعلیم کا ہی ذکر کریں گے۔ حالانکہ آپنے خود اپنی کتاب میں لکھاہے کہ" مسیح کی تعلیم کا جو نقشہ قرآن شریف پیش کرتا ہے اناجیل اربعہ بھی قریب قریب "اس کی مصدق ہیں" صفحہ ۱۴ پس اگرہم یہ دکھادیں کہ پولوس رسول جو تعلیم دیتا ہے وہ بجنسہ وہی ہے جو آقائے دوجہاں جناب مسیح نے دی تھی اور جو اناجیل میں محفوظ ہےاور کہ یہی تعلیم رسول مقبول کی تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ ہے تو آپ کولابدی ماننگا پڑیگا کہ آپ کا دعویٰ باطل ہے۔

(۱)

اول۔خدا کی بادشاہت ۔ منجئی عالمین "خدا کی بادشاہت" کی منادی کرتے تھے (مرقس ۱: ۱۵، لوقا، ۸: ۱، ۹: ۱۱۔ متی ۴: ۲۳۔ ۹: ۲۵۔ لوقا ۹: ۲۔ ۱۰: ۹۔ متی ۱۰: ۵ وغیرہ) پولوس رسول بھی اسی بادشاہت کی نسبت تعلیم دیتا ہے ۔(رومیوں ۱۴: ۱۷۔ ۱کرنتھیوں ۴: ۲۰۔ ۶: ۹تا ۱۰۔ ۱۵: ۵۰۔ ۱۵: ۲۴۔گلتیوں ۵: ۲۱۔ کلسیوں ۴: ۱۱۔ ۱: ۱۳۔ ۲ تھسلنیکیوں ۱: ۵۔ ۱ تھسلنیکیوں ۲: ۱۲ وغیرہ)۔ جس طرح سیدنا مسیح کے لئے "خدا کی بادشاہت" ایک روحانی شے تھی اور سیاسی امور کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا(متی ۱۱: ۱۲تا ۱۴، ۲۱: ۳۱تا ۳۲، لوقا ۱۰: ۲۳تا ۲۴)اسی طرح مقدس پولوس کے نزدیک بھی ان الفاظ کے ساتھ دنیاوی اور سیاسی امور کا کچھ واسطہ نہ تھا بلکہ اس کے نزدیک بھی وہ ایک خالص روحانی اور اخلاقی حقیقت تھی(۱کرنتھیوں ۴: ۲۰، رومیوں ۱۴: ۱۷۔ کلسیوں ۱: ۱۳)۔پھر جس طرح جنابِ مسیح کے خیال میں خدا کی بادشاہت کا تعلق آخری زمانہ کے ساتھ تھا(مرقس ۱۴: ۲۵، متی ۱۳: ۳۹تا ۴۳۔ ۲۵: ۳۴۔لوقا ۱۳: ۲۸تا ۲۹ وغیرہ) اسی طرح سے پولوس رسول بھی اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے ۔(گلتیوں ۵: ۲۱۔ ۱کرنتھیوں ۶: ۱۰۔ ۱۵: ۵۰) ہم جانتے ہیں کہ مسیح اور پولوس رسول کے ہم عصر یہودی خدا کی بادشاہت کو جسمانی دنیاوی اور سیاسی معنوں میں تعبیر کرتے تھے لہذا پولوس رسول نے صرف منجئی عالمین ہی سے اس کی کو روحانی معنوں میں تعبیر کرنا سیکھا تھا۔ ناظرین مذکورہ بالاآیات کا مقابلہ کرکے خودیکھ سکتے ہیں کہ خدا کی بادشاہت کے متعلق مقدس پولوس وہی تعلیم دیتا ہے جو ربنا المسیح نے دی تھی۔

ناظرین پر مخفی نہ رہے کہ مشرکانہ مذاہب میں" خدا کی بادشاہت" کی نسبت کوئی تعلیم نہیں ملتی۔ چنانچہ ڈاکٹر شوٹیز کہتاہے کہ" مسیحیت اور مشرکانہ مذاہب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ مشرکانہ مذاہب خدا کی بادشاہت کے تصور سے کلیتہً ناواقف ہیں لیکن مسیحیت میں یہی عنصر غالب

ہے۔ یونانی مذاہب اس مادی دنیا میں ہی روح کی فنا وبقاء پر بحث کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ بتانا تھا کہ روح اوپر سے سفلی طبقہ پر کیوں اور کس طرح آئی اور وہ اب اس قید سے کیونکر مخلصی پاسکتی ہے اور واپس بہتر طبقہ میں کس طرح جاسکتی ہے۔ ان مذاہب کا مقصد دنیا اور بنی نوع انسان کی فنا یا بقا کے ساتھ نہیں۔ برعکس اس کے مسیحیت ایک بہتر دنیا کی امید میں رہتی ہے مسیحی تصور کے مطابق نجات خدا کی اس قدرت کا اظہار ہے جس سے ایک بہتر دنیا یعنی خدا کی بادشاہت وجود میں آتی ہے اور اس میں وہ آدمی شامل ہیں جن کا دل خدا پر قائم رہتا ہے۔ یونانی رومی مذاہب باطلہ میں اس خیال کا نشان تک ہمیں نظر نہیں آتا[74] "۔ لیکن خواجہ صاحب ہیں جو فرمارہے ہیں کہ پولوس رسول نے اپنے آقا مسیح کا مذہب چھوڑ کر " یونانیوں اور رومیوں کے عقائد کے مطابق ایک نیا مذہب تیار کردیا" صفحہ ۱۲۶۔

(۲)

دوم۔ خدا کی ذات کی نسبت سیدنا مسیح اور پولوس رسول ایک ہی تعلیم دیتے ہیں اور یہ تعلیم ان کے تمام عقائد پر اثر ڈالتی ہے۔ جنابِ مسیح کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدا ہمارا باپ ہے جو ہم کو پیار کرتا ہے (متی ۱۱: ۲۵تا ۲۷، ۱۰: ۳۲، ۱۸: ۳۵، مرقس ۱۱: ۲۵- ۱۴: ۳۶- لوقا ۲۲: ۲۹- ۲۳: ۴۶وغیرہ)۔ اور چونکہ وہ ہم کو پیار کرتا ہے لہذا وہ ہم گنہگاروں کی اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح گڈریا یا کھوئی ہوئی بھیڑ کی تلاش کرتا ہے (لوقا ۱۵: ۴تا ۱۰)وہ تائب گنہگار کو معاف کرتاہے (لوقا ۱۵: ۱۱تا ۳۲- متی

[74] Schweitzer, Christianity and Religions of the World.pp.23-25.

۱۸: ۲۳تا ۲۷وغیرہ) اور اپنے بچوں کی ضروریات اور حاجات سے واقف ہے اور ان کی رفع کرتا ہے(متی ۶: ۲۵تا ۳۴وغیرہ)۔ وہ قادر مطلق ہے اور سب مخلوقات سے بالا ہے (متی ۱۰: ۲۸، ۱۱: ۲۵، مرقس ۱۰: ۲۷- ۱۴: ۳۶وغیرہ)وہ عالم الغیب ہے(مرقس ۱۳: ۳۲- ۱۰: ۴۰وغیرہ)۔ اپنی محبت کی وجہ سے وہ اپنی قدرت کو ظاہر کرتاہے تاکہ لوگ بادشاہت میں داخل ہوسکیں (متی ۱۱: ۲۵- مرقس ۱۰: ۲۷وغیرہ) وہ پروردگار ہے جس کی قدرت اور محبت متناقض نہیں ہیں (متی ۱۰: ۲۸تا ۳۱وغیرہ) مقدس پولوس کی مرکزی تعلیم بھی یہی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے (روم ۶: ۴- ۸: ۱۵ - ۱۱: ۲۸- ۱کرنتھیوں ۸: ۶- ۲کرنتھیوں ۱: ۳- ۴: ۶- افسیوں ۲: ۱۸- ۴: ۶ وغیرہ وغیرہ) ۔ اس کے نزدیک بھی خدا قادر مطلق ہے(۱کرنتھیوں ۸: ۶- رومیوں ۱: ۲۰)جس کی رضا سب پر حاوی ہے(افسیوں ۱: ۳تا ۱۴- ۲: ۱۰)جس طرح کلمۃ اللہ نے اپنی زندگی سے اپنے معاصرین پر ظاہر کردیا تھا کہ خدا محبت ہے اسی طرح پولوس رسول اپنے مریدوں پر مسیح کی زندگی اور سیرت سے خدا کی محبت ثابت کرتاہے انصاف پسند ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ اس امر میں بھی کلمۃ اللہ اور رسول مقبول کی تعلیم میں کسی قسم کا فرق نہیں۔

(۳)

سوم۔ مسیح کی ذات کی نسبت تعلیم۔ عموماً یہ خیال کیا جاتاہے کہ اس بارے میں مسیح کی اور پولوس کی تعلیم میں بعد المشرقین ہے۔ خواجہ صاحب اور آپکے ہم خیال اصحاب کہتے ہیں کہ مسیح کہ جو انسان تھا پولوس رسول نے

الوہیت کا درجہ دیدیا ہے جو مسیح کی اپنی تعلیم سے بعید ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب عیسیٰ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اوراس دعویٰ کے مفہوم سے کلمۃ اللہ نے ان تمام دنیاوی طور پر سیاسی خیالات کوخارج کردیا جو آپ کے معاصرین کے اذہان میں تھے مثلاً معاصرین کا یہ خیال تھا کہ مسیح موعود کا داؤد کی نسل سے ہونا نہایت ضروری ہے لیکن سیدنا مسیح اگرچہ وہ خود داؤد کی نسل سے تھے اس امر کو مقدم خیال نہیں کرتے تھے(مرقس ۱۲ :۳۵تا ۳۷)۔ کلمۃ اللہ نے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کواس روحانی رشتہ پر قائم کیا جو آپ کوخدا باپ کےساتھ حاصل تھا اورجس کی بنا پر حضور نے فرمایاکہ " جو کوئی مجھے قبول کرتاہے وہ مجھے نہیں بلکہ اسے جس نے مجھے بھیجاہے قبول کرتاہے"(مرقس ۹ : ۳۷)لہذا وہ ایک خاص معنی میں ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ آپ کا اور باپ کا تعلق بے نظیر اورلاثانی ہے (مرقس ۱۳: ۳۲-متی ۱۱: ۲۷- مرقس ۱۲: ۶ وغیرہ) ع کہ عدیم است عدیلش چوخداوند کریم چونکہ ہم اس امر پر باب چہارم میں مفصل بحث کرچکےہیں لہذا ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

پولوس رسول بھی اپنی تعلیم کو(جووہ مسیح کی ذات کے بارے میں دیتا ہے)اس کے مسیح موعود ہونے پر قائم کرتاہے۔ وہ بھی مسیح کا داؤد کی نسل میں سے پیدا ہونا مقدم امر خیال نہیں کرتا بلکہ اس کی ابنیت کی روحانی حقیقت کو مقدم جانتاہے (رومیوں ۱: ۳تا ۵) رسول مقبول کلمۃ اللہ کو بار بار" ابن اللہ " کے لقب سے ملقب کرتا ہے (۱کرنتھیوں ۱: ۹ - ۱۵: ۲۸- رومیوں ۱۵: ۶ وغیرہ)۔ یہ ابنیت کا رشتہ محبت کی بنا پر قائم ہے۔ وہ اس کی " محبت کا بیٹا" ہے (کلسیوں ۱: ۱۳- افسیوں ۱: ۶)اگرچہ مقدس پولوس " ابن آدم " کے لقب کو استعمال نہیں کرتا جو مسیح اپنے لئے نہ صرف اناجیل ثلاثہ میں بلکہ انجیل چہارم میں بھی استعمال کرتاہے تاہم وہ اس کو حقیقی انسان مانتاہے(گلتیوں ۴: ۴- رومیوں ۱: ۳- ۸: ۲ فلپیوں ۲: ۷ وغیرہ)اسکے محدود ہونے کا وہ اقبال کرتاہے(فلپیوں ۲: ۶تا ۸) وہ مسیح کا خدا کے تابع ہونیکا اقرار کرتاہے اور سب باتوں اور بالخصوص مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنے کا محرک خداہی کو بتاتاہے (۱کرنتھیوں ۱۵: ۲۴تا ۲۸- افسیوں ۱: ۱۷- ۱کرنتھیوں ۱۱: ۳- ۳: ۲۳)۔ اس کے ساتھ ہی وہ مسیح اور باپ کے روحانی رشتہ کی باہمی یگانگت پر زور دیتاہے مثلاً لفظ "خداوند" جو پولوس رسول مسیح کے لئے استعمال کرتاہے وہی لفظ ہے جو عبرانی لفظ " یہوواہ" کا مترادف ہے جو عہد عتیق میں خدا کا خاص نام ہے اور بعض اوقات جب پولوس عہد عتیق سے اقتباس کرتاہے تو وہ اس لفظ کو خدا کی بجائے کلمۃ اللہ کے لئے استعمال کرتاہے(۱کرنتھیوں ۱: ۳۱- ۲تھسلنیکیوں ۱: ۱۲) کلمۃ اللہ نہ صرف "خدا کی صورت" ہی ہے (کلسیوں ۱: ۱۹- ۲: ۹) وہ" تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے" (کلسیوں ۱: ۱۸) اور" اسی میں ساری چیزیں قائم رہتی ہیں " (کلسیوں ۱: ۱۷- کلمۃ اللہ ہی میں" سب چیزوں کا مجموعہ " ہے اور خواہ وہ آسمان کی ہوں خواہ زمین کی"(افسیوں ۱: ۱۰)۔

پولوس رسول کی تعلیم اور منجئی عالمین کی تعلیم میں اس لحاظ سے بالکل فرق نہیں۔ یہودی ربی ڈاکٹر کلاسنر مخالفانہ انداز میں چند باتیں کہتاہے جو ہمارے اس نتیجہ کی مصدق ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "یسوع اپنے مشن کے متعلق ایسے خیال رکھتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی نسبت بہت اونچے خیال باندھتا تھا مثلاً یہ کہ وہ خدا کا مقرب ترین شخص ہے۔ اورایک دن

ایسا آئیگا جب وہ خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھیگا- وہ شاہ سلیمان سے بڑا ہے یوناہ نبی
سے بڑا ہے بلکہ ہیکل سے بھی بڑا ہے- یوحنا اصطباغی ان تمام لوگوں سے بڑا تھا
جو دنیا میں گذر چکے ہیں لیکن یسوع یوحنا کے مقابلہ میں بہت ہی بڑا ہے - یسوع
اپنے آپ کو اس قدر بلند پایہ کا خیال کرتا تھا کہ موسیٰ سے بھی اپنے آپ کو بڑا
خیال کرتا تھا- چنانچہ وہ کہتا ہے کہ تم نے سنا ہے کہ اگلوں سے کہا گیا--- لیکن
میں تم سے کہتا ہوں ----- وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی خاطر خاندان گھر جائداد
بلکہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں --- وہ اپنے آپ کو مسیح موعود خیال کرتا
تھا اور باوجود پے درپے ناامیدیوں کے اس کے دل سے یہ خیال نہ گیا- اس کا یہ
یقین تھا کہ وہ خدا کے دہنے بیٹھیگا اور کہ" زمین اور آسمان ٹل جائیں لیکن اس کی
باتیں ہر گز نہ ٹلیں گی[75]-

مقدس پولوس کلمۃ اللہ کی ذات کا تصور سیدنا مسیح کے مندرجہ بالا
کلمات طیبات پر ہی مبنی کرتا ہے اورہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان اقوال میں
اور پولوس رسول کے الہیات میں کسی طرح کا تناقض نہیں ہے مقدس پولوس
خداوند عالمین کے اقوال کو فلسفیانہ نہ الفاظ میں ادا کرتا ہے- یہودی فلسفہ میں
اسرائیل خدا کا مولود اوراس کا اکلوتا بیٹا ہے جس کی خاطر دنیا خلق کی گئی
(۱ سدرس ۶: ۵۵ یا ۵۹) ان اصطلاحات کو اہل یہود نے مسیح موعود پر چسپاں
کیا تھا- مسیح موعود اول اور آخر تھا جو کل زمانوں سے پیشتر مولود تھا جس کے
ماتحت کل چیزیں تھیں اور تخت عدالت اسی کے سپرد کیا گیا ہے (کتاب
حنوک ۴۸: ۲- ۶۲: ۶- ۶۹: ۲۷)- یہ یہودی فلسفہ کی اصطلاحات تھیں

[75] Klusner, Jesus of Nazareth pp.408-10

جن کو پولوس استعمال کرتا ہے- ان کے فلسفہ کے مطابق " ہر حقیقی شے جو وقتاً
فوقتاً اس دنیا میں ظہور پذیر ہوتی ہے در حقیقت آسمان میں وجود رکھتی ہے
یا بالفاظ دیگر وہ خدا کے ساتھ عالم وجود میں ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو
اس شے کا علم ہوتا ہے اور یہ علم ہی اس کو حقیقی وجود عطا کرتا ہے- لیکن خدا کے
ساتھ پیشتر واسی حالت میں موجود ہوتی ہے جس حالت میں وہ زمین پر ظاہر ہوتی
ہے یعنی اس کے جوہر کے ساتھ تمام مادی صفات موجود ہوتی ہیں- جب وہ
زمین ظاہر ہوتی ہے تو وہ پردہ خفا سے باہر نکل آتی[76] ہے"- پولوس اسی یہودی
فلسفہ کی اصطلاحات کو استعمال کرتا ہے -لیکن اس کے فلسفہ کی بنیاد خدا اور مسیح
کے باہمی رشتہ کی لاثانی یکتائی ہے وہ اسی رشتہ کے پنہانی مطالب کا اطلاق نظام
کائنات پراور زندگی کے دیگر شعبہ جات پر کرتا ہے -پس بنیادی تعلیم وہی رہتی
ہے جو کلمۃ اللہ نے خود دی تھی- مسیح کی انجیل میں فرق نمودار نہیں ہوتا
صرف اس کے پیغام کے اطلاق کا اظہار فلسفیانہ الفاظ میں کائنات اور زندگی کے
کل شعبہ جات پر کیا جاتا ہے- یہاں ایک اور بات غور کے قابل ہے- جب
پولوس رسول یہ فرماتا ہے کہ مسیح " تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے" وہ اپنے
ناظرین پر کلمۃ اللہ کے مقدم وجود کے اخلاقی مطالب ظاہر کرنا چاہتا ہے اور اپنے
مسیحیوں پر جتلاتا ہے کہ کلمۃ اللہ نے تجسم اختیار کرکے عظیم الشان ایثار نفسی
سے کام لیا مسیح کی زندگی پیدائش سے لے کر موت تک " غریبی " ، " پستی "
کی زندگی تھی جو ہماری خاطر اس نے خود اختیار کی- چنانچہ وہ فرماتا ہے " تم
ہمارے سیدنا مسیح کے فضل کو جانتے ہو کہ وہ اگرچہ دولتمند تھا مگر تمہاری خاطر
غریب بن گیا تاکہ تم اس کی غریبی سے دولتمند ہوجاؤ" (۲ کرنتھیوں ۸: ۹)"

[76] Harnack. History of Dogma Vol.I.p.318.

مسیح نے اگرچہ وہ خدا کی صورت پر تھا۔۔۔۔ اپنے آپ کو خالی کردیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی"(فلپیوں ۲: ۶تا ۱۱) کیا خداوند عالمین نے خود نہیں فرمایا تھا کہ" میں حلیم اور دل کا فروتن ہوں" (متی ۱۱: ۲۶) پس ظاہر ہے کہ کلمتہ اللہ کی ذات کے بارے میں بھی سیدنا مسیح اور پولوس رسول کی تعلیم میں اختلاف نہیں ہے۔ اس کی یہ تعلیم اور فلسفہ ایک تواریخی شخص پر مبنی ہے۔ اس نے یہودی فلسفہ سے مسیح کا تصور اخذ کیا لیکن بغیر عیسیٰ ناصری کی حقیقت وہ محض تصور پر اپنی عظیم الشان عمارت کھڑی نہیں کرسکتا تھا۔ مقدس پولوس کے خیال میں منجئی عالمین کی عظمت آپ کی ایثار نفسی دکھ اور موت پر مبنی ہے مسیح موعود کے یہودی تصور اور پولوس رسول کے نظریہ میں درمیانی کڑی عیسیٰ ناصری کی زندگی موت اور قیامت کی حقیقت ہے جو دونوں کو باہم کرتی ہے۔ اگر اس درمیانی کڑی کو ہٹادیا جائے تو یہودی تصور اور پولوسی نظریہ بے معنی باتیں ہوجاتی ہیں۔

(۴)

چہارم۔ مسیح کی زندگی اور کام کے مفہوم

اناجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ سیدنا مسیح اپنے آپ کو دنیا کے گنہگاروں کا نجات دہندہ اور شفیع الامم خیال فرماتے تھے (متی ۱۰: ۲۲تا ۲۳۔ ۱۱: ۲۸ وغیرہ)۔ پولوس رسول بھی المسیح کو منجی اور شافع مانتا ہے (گلتیوں ۳: ۱۴۔ ۱کرنتھیوں ۱: ۴۔ ۱۵: ۲۲۔ رومیوں ۳: ۲۴۔ ۸: ۳۹، کلسیوں ۱: ۱۴۔ ۱کرنتھیوں ۱۵: ۲۱۔ ۱۵: ۵۷۔ رومیوں ۵: ۱۔ ۵: ۱۱۔ ۵: ۱۷۔ ۵: ۲۱۔ ۷: ۲۵ وغیرہ) سیدنا مسیح نے اپنے متعلق فرمایا تھا کہ" ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھنے اور نجات دینے آیا ہے"(لوقا ۱۹: ۱۰)۔ نیز دیکھو مرقس ۲: ۱۷ وغیرہ)خداوند کا ان الفاظ سے کیا مطلب تھا۔ کلمتہ اللہ کی زندگی اور کام میں کونسی بات تھی جس کے ذریعہ ہم کو نجات ملی ۔ مقدس پولوس اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ مسیح کی صلیب اوراس کی قیامت کے سبب ہم کو نجات ملی (گلتیوں ۳: ۱۔ ۱کرنتھیوں ۱: ۱۷تا ۲۵۔ ۲: ۱۔ ۱تھسلنیکیوں ۴: ۱۴۔ رومیوں ۱۴: ۹۔ ۱کرنتھیوں ۱۵: ۳تا ۴۔ ۲کرنتھیوں ۵: ۱۵۔ ۱۵: ۷۔ رومیوں ۴: ۲۵۔ ۱۰: ۹۔ ۸: ۳۴وغیرہ) منجئی عالمین اپنی خدمت کی ابتداہی میں صلیبی موت کی طرف اشارہ کرتے ہیں (مرقس ۲: ۲۰) اوراس خدمت کے آخری زمانہ میں بار بار اپنی اذیت اور موت کا اس طور پر ذکر کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے خیال میں یہ موت آپ کی مبارک زندگی کی تکمیل تھی (مرقس ۸: ۳۱تا ۳۳۔ ۹: ۹تا ۱۳۔ ۹: ۳۰تا ۳۲۔ ۱۰: ۳۲تا ۴۵۔ لوقا ۱۹: ۱۰ وغیرہ وغیرہ) اس جگہ ہم منجئی جہان کے دو اقوال پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اختصار مدنظر ہے۔ سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں سے فرمایا" ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے میں فدیہ میں دے" (مرقس ۱۰: ۴۵) اس مبارک قول سے صاف معلوم ہوتاہے کہ منجی عالمین اپنی موت کو لوگوں کی نجات کا وسیلہ خیال فرماتے تھے اور جب ہم منجئی جہان کے دوسرے اقوال پر نظر کرتے ہیں کہ" ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھنے اور نجات دینے آیاہے"(لوقا ۱۹: ۱۰)" میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں(مرقس ۲: ۱۷) اور

نیز جب ہم اس سلوک پر نظر کرتے ہیں جو منجئی جہان نے گنہگاروں کے ساتھ کیا تو اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ آپ کے خیال میں آپ کی مبارک موت گناہوں سے نجات دینے کا وسیلہ تھی۔ اور اگر کسی محقق کے دل میں اب بھی شک رہ جائے توہم اس کو خداوند کا وہ قول یاددلائینگے جو آپ نے آخری فسح کے موقع پر اپنی زبان معجز بیان سے فرمایا کہ" یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتاہے---- یہ نئے عہد نامہ کا میرا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے "لوقا ۲۲: ۲۰۔متی ۲۶: ۲۸)۔

پس ہر منصف مزاج شخص پر ثابت ہوگیا کہ پولوس رسول مسیح کی صلیبی موت اور گناہوں کی معافی کی نسبت بعینہ وہی تعلیم دیتاہے جو خود منجئی عالمین نے دی تھی۔ مقدس پولوس رسول کے الفاظ (۱ کرنتھیوں ۱۱: ۲۵۔ ۱: ۳۰۔ ۶: ۲۰۔ ۷: ۲۳۔ رومیوں ۳: ۲۴۔ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خود سیدنا مسیح کے الفاظ پر مبنی ہیں (لوقا ۲۲: ۲۰، مرقس ۱۰: ۴۵) دونوں کے خیال میں مسیح موعود کی موت دو پہلو رکھتی ہے۔ اول کہ منجئی جہان کی صلیبی موت خدا کی مرضی کا نتیجہ تھی (مرقس ۸: ۳۱۔ ۱۴: ۳۶۔ لوقا ۲۴: ۲۶۔ یوحنا ۱۸: ۱۱ ۔لوقا ۱۲: ۴۹ وغیرہ اس کا مقابلہ کرورومیوں ۳: ۲۳ وغیرہ۔ ۸: ۳۲۔ گلتیوں ۱: ۴۔ ۲ کرنتھیوں ۵: ۲۱ وغیرہ)دوم کہ منجئی جہان نے انسان کی خاطر اعلیٰ ترین ایثار نفسی سے کام لیا (مرقس ۱۰: ۴۵) وغیرہ کا مقابلہ کرو ۱ تھسلنیکیوں ۵: ۱۰، گلتیوں ۲: ۲۰۔ ۲ کرنتھیوں ۵: ۱۴۔ افسیوں ۵: ۲، ۲۵وغیرہ) پس پولوس رسول نے یہ دونوں پہلو مسیحی کی تعلیم سے سیکھے تھے اور انجیل جلیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوجاتاہے کہ المسیح نے یہ دونوں پہلو عہد عتیق کے "خادم یہوواہ" کی تصویر سے اخذ کئے تھے (یسعیاہ ۴۱: ۸، ۲۰، ۴۲: ۱، ۷، ۱۸۔ ۴۳: ۵تا ۱۰۔ ۴۹: ۱تا ۹۔ ۵۰: ۴تا ۱۰۔ ۵۲: ۱۳تا ۵۳: ۱۲۔ ۶۱: ۱تا ۳ وغیرہ) مذکورہ بالاآیات میں سے ایک اقتباس خود سیدنا مسیح نے کیا تھا (لوقا ۴: ۱۸تا ۱۹)۔ انجیل سے یہ بھی ثابت ہے کہ منجئی عالمین نے " خادم یہواہ" کا اطلاق اپنے پر کیا تھا چنانچہ اقتباس کرتے وقت آپ نے اپنی زبان معجز بیان سے فرمایا" آج یہ نوشتہ تمہارے سامنے پورا ہواہے" (لوقا ۴: ۲۳) اہل یہود کا خیال تھا کہ خدا ان شہیدوں کی شفاعت منظور کرتا ہے جنہوں نے اس کی خاطر اپنی جان دینی قبول کی تھی۔ مثلاً یسعیاہ کی کتاب کے الفاظ یہ ہیں" وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا ہماری ہی سلامتی کے لئے اس پر سیاست ہوئی تاکہ اس کے مارکھانے سے ہم چنگے ہوں"(۵۳: ۵) ارامی تارگم ان الفاظ کا اطلاق مسیح موعود پر کرکے یوں حاشیہ آرائی کرتا ہے" دیکھو میرا خادم مسیح خوشحال ہوگا----وہ ہمارے گناہوں کے لئے دعا کریگا اوراس کی خاطر ہماری بدکرداریاں معاف کی جائینگی ۔ ہم سب بھیڑوں کی طرح تتر بتر ہوگئے تھے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ سے بھٹک گیا تھا۔ لیکن سیدنا مسیح کی یہ مرضی ہوئی کہ وہ ہم سب کے گناہ اس کی خاطر معاف کرے اس نے دعا کی اور قبول ہوگئی ۔ اس کے منہ کھولنے سے پہلے ہی وہ مقبول ہوگیا۔ ----۔ سب مسیح کی بادشاہت کو دیکھیں گے----۔ وہ بہت سے گناہوں کے لئے شفاعت کریگا اور باغی اس کی خاطر معاف کئے جائینگے[77] "۔ یہ الفاظ عید فسح کے موقعہ پر یہودی عبادت خانوں میں پڑھے جاتے تھے۔ منجی

[77] Quoted by Bacon in Jesus and Paul.p.114.

عالمین نےان کو بہتیر دفعہ سناھا اور یہ الفاظ اپنے پر چسپاں کئے تھے یہی وجہ ہے
کہ منجئی جہان نے آخری فسح پر عشائے ربانی کی رسم مقرر کرتے وقت فرمایا" یہ
نئے عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے
بہایا جاتا ہے" جس سے صاف ظاہر ہوتاہے کہ سید الشہدا خداوند عیسیٰ مسیح کا یہ
مطلب تھا کہ وہ اپنے خون سے اپنے پیرووں کی شفاعت کریگا۔ پروفیسر بیکن
جیسا نقاد کہتاہے کہ یہ " الفاظ الحاقی نہیں ہیں بلکہ خداوند کےاپنے الفاظ ہیں۔
عہد جدید کا ہر لفظ الحاقی شمار ہوسکے توہوجائے لیکن یہ الفاظ قائم رہینگے[78]۔ پس
ثابت ہوگیا کہ خود سیدنا مسیح نے خادم یہوواہ" کے تصور پر غور کرکے اس
تصور کا اطلاق اپنی زندگی اور موت پر کیا تھا۔ منجئی جہان نے اپنے آپ کو"خادم
یہوواہ" خیال کرتے تھے۔ پولوس کا مسیح بھی یسعیاہ کا " خادم یہوواہ" ہی ہے۔
پس یہ ظاہر ہے کہ پولوس رسول کی تعلیم کا سرچشمہ اور ماخذ خود سیدنا مسیح کے
خیالات اوراقوال ہی ہیں۔ اگر صلیب کی تعلیم پولوس رسول کی خود ساختہ ہوتی
تووہ اس کو کب کا چھوڑبیٹھا ہوتا کیونکہ صلیب کا پیغام جس طرح فی زمانہ اہل
اسلام کے لئے ٹھوکر ہے ویسا ہی وہ " یہودیوں کے لئے ٹھوکر کا باعث اور
یونانیوں کے نزدیک بےوقوفی " (۱ کرنتھیوں ۱: ۲۳ تھا)۔ خواجہ صاحب
پولوس کو " ایک موقعہ شناس شخص " صفحہ ۱۲۵ خیال کرتے ہیں جو کہتا
تھاکہ" میرا نہ کسی مذہب سے تعلق ہے نہ کسی شریعت کی پابندی ہے نہ کسی
کی کمزوری کی مجھ کو پرواہ ہے۔ غرض مسیح کو منوانا ہے خواہ کسی طرح سے ہو"
صفحہ ۱۲۶ لیکن محیر العقول بات یہ ہے کہ ایسا موقعہ شنا شخص" مسیح کو اس
طرح منواتا ہے کہ نہ یہودی اس کو مان سکیں اور نہ یونانی اس کو دانش کی بات

[78] Bacon, Jesus and Paul.p.50.

سمجھ سکیں۔ اس سے صاف پتہ چلتاہے کہ صلیب ایک تاریخی حقیقت تھی جس
کا پیغام پولوس رسول کا خود ساختہ عقیدہ نہ تھا بلکہ اس کا سرچشمہ منجئی عالمین
کے اقوال وافعوال تھے۔

مسیحی نجات اور مشرکانہ مفہوم

خواجہ کمال الدین کی تحریر سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتاہے کہ پولوس رسول
پہلا شخص تھا جس نے مشرکانہ روایات میں سے صلیب کا عنصر اخذ کرکے
مسیحیت میں پیوند کردیا لیکن جیسا ہم باب دوم میں دکھا چکے ہیں ہر باعلم شخص
کو پتہ ہے کہ مشرکانہ قصص میں دیوی دیوتاؤں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا کوئی
تواریخی حقیقتیں نہیں تھیں یہی وجہ ہے کہ مشرک خود ان باتوں کا ہنسی مذاق
اڑایا کرتے تھے (اعمال ۱۷: ۳۲) ان مشرکانہ قصص کے یہ پہلو اس واسطے
وضع کئے گئے تھے کہ نباتات کے ہر سال مرنے اورپھر از سر نواُگنے کی تشریح
ہوسکے۔ یہی سر جیمس فریزر بھی کہتے[79]۔

مزید برآں اگر خواجہ صاحب نے مشرکانہ لٹریچر کی کتابوں کا خود مطالعہ
فرمایا ہوتا تو ان پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ مشرک متھرا، اوسیرس، اطیس وغیرہ کو"
منجئی خدا" کے نام سے پکارتے تھے۔ اوراگرآپ نے پولوس رسول کی تحریرات
کا مطالعہ کیا ہوتا توآپ کو معلوم ہوجاتا کہ پولوس رسول کہیں بھی سیدنا مسیح کے
لئے " منجئی خدا " کا لقب استعمال نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک ایک ہی خدا
ہے" جو ہمارے سیدنا مسیح کا باپ ہے" اس کے نزدیک خدا کی نجات دینے

[79] Frazer, Golden Bough:pp.337,347,349,374,376,377,etc

والی محبت مسیح میں بنی نوع انسان کی طرف آتی ہے (گلتیوں ۲: ۲۰، ۴: ۴تا ۵وغیرہ)۔

علاوہ ازیں اگرآپ پولوس رسول کے مفہوم کو سمجھنے کی زحمت گوارا کرتے توآپ پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ لفظ" نجات" ، " منجی " سے پولوس رسول کا مفہوم ایک ہے اور مشرکانہ مذاہب کا مفہوم بالکل مختلف ہے۔

پولوس رسول کی تعلیم کی ابتدا گناہ کے احساس سے ہوتی ہے۔ لیکن یونانی علم ادب میں اس احساس کاہم کو نام ونشان بھی نہیں ملتا ۔ ہومر کی نظمیں ایسکلس کی اخلاقیات اور افلاطون کا فلسفہ اس احساس سے جو پولوس اور انجیل کی طفیل مہذب دنیا کے ہر کونہ میں ملتاہے یکسر خالی ہیں۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ یونانی مشاہیر بدی اور شرارت اوراسکی سزا سے ناواقف تھے وہ یہ توضرور جانتے تھے کہ دیوتا بدی اور شرارت کی سزا بدکار کو دیتے ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس بات کا علم نہ تھا کہ انسان اور خدا کے باہمی تعلقات میں ایسا فساد پڑجاتاہے کہ انسان خدا سے علیحدہ گناہ کی حالت میں زندگی بسر کرنے لگ جاتاہے۔ یونانی علم ادب کے متاخرین میں بھی ہم کو انسانی طبیعت کا گناہ کی طرف رحجان کا خیال نہیں ملتا۔ یہ خیال ہم کو صرف یہودیت ہی میں ملتا ہے۔ عہد عتیق کی کتب گناہ کے احساس سے پُرہیں۔ " بے شمار برائیوں نے مجھے گھیر لیا۔ میرے گناہوں نے مجھے پکڑا ایسا کہ میں آنکھ اوپر نہیں کرسکتا ۔ وہ میرے سر کے بالوں سے شمار میں زیادہ ہیں" (زبور ۴۰: ۱۱)"۔ اے خدا۔ اگر توگناہ کا حساب لے تواے خداوند کون کھڑا رہیگا۔ پر تیرے پاس تو مغفرت ہے"(زبور ۱۳۰ : ۴)" میں اپنے گناہوں کو مان لیتاہوں اورمیری خطاہمیشہ میرے سامنے ہے۔ میں نے تیراہی کیا ہے اور تیرے ہی حضورمیں بد کی ہے۔--۔ اے خدا میرے اندر ایک پاکدل پیدا کر اورایک مستقیم روح میرے باطن میں نئے سرے سے ڈال"(زبور ۵۱)۔ عہدعتیق کی تمام کتب میں اسی احساس کی صدائے بازگشت ہم کوملتی ہے پولوس رسول کی تعلیم اس احساس سے شروع ہوتی ہے" جومیں کرنا چاہتاہوں وہ نہیں کرسکتا اورجو نہیں چاہتا وہ کرتا ہوں"۔ پولوس کی تعلیم کا مرکز اس گناہ کے احساس سے نجات ہے"۔جہاں گناہ زیادہ ہوا وہاں فضل اس سے بھی نہایت زیادہ ہوا"۔ یہ "بات حق اورقابل قبول ہے کہ سیدنا مسیح گناہوں کو نجات دینے کے لئے اس جہان میں آیا اورمیں سب سے بڑا گنہگار ہوں"۔

ناستک لوگ نجات کے مفہوم کو مشرکانہ خیالات کے مطابق سمجھتے[80] تھے اور یہی وجہ تھی کہ مسیحی کلیسیا نے ان کو بدعتی قرار دیدیا تھا۔ کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ کلیسیا اور پولوس رسول کے عقائد شرک سے پاک تھے۔

ہر انجیل خوان پر یہ ظاہر ہے کہ مقدس پولوس کے مسیحی ہونے سے پیشتر تمام رسول صلیب کے ذریعہ نجات کا پیغام یہودیوں کو سناتے رہے (اعمال الرسل کی کتاب دیکھو)خواجہ صاحب ہم کو اس کا سبب بتائیں کہ کیوں نہ صرف پولوس بلکہ ہر مسیحی ربنا عیسیٰ کو اپنا شافع مانتا تھا اورہمیشہ دعا میں اس الفاظ" مسیح کی خاطر" استعمال کرتا تھا۔ پولوس نے ایک نئی بات کس طرح گھڑ کر داخل کردی جبکہ" مسیح کے ہر ایلچی" کا یہی پیغام تھا(۲کرنتھیوں ۵: ۲۰) پولوس رسول خود اقرار کرتا ہے کہ اس نے صلیب کے ذریعہ نجات کا پانے عقیدہ دیگر مسیحیوں سے سیکھا تھا چنانچہ اپنے نومریدوں کو وہ کہتا ہے کہ" اے بھائیو۔ میں تمہیں وہی خوشخبری جتاتے دیتا ہوں جوپہلے دے چکا ہوں جسے

[80] Rashdall, Idea of Atonement pp.235.481-82

تم نے قبول بھی کرلیا تھا اور جس پر قائم بھی ہو۔اسی کے وسیلے سے تم کو نجات بھی ملتی ہے ۔ بشرطیکہ وہ خوشخبری جو میں نے تم کو دی تھی یاد بھی رکھتے ہوور نہ تمہارا ایمان لانا بے فائدہ ہوا چنانچہ میں نے سب سے پہلے تم کو وہی بات پہنچادی جومجھے پہنچی تھی کہ مسیح کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے موا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب جی اٹھا"(۱ کرنتھیوں ۱۵: ۱تا ۴) اورانجیل جلیل سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسولوں کی یہ تعلیم اپنی من گھڑت تعلیم نہیں تھی بلکہ منجئی عالمین نے خود اپنی موت کے ساتھ نجات کو متعلق کیا تھا اور یہ تعلیم دی تھی۔ اگرہم خواجہ صاحب کی خاطر انجیل چہارم (۳: ۱۴تا ۱۵۔ ۱۰: ۱۱۔ ۱۲: ۲۴: ۱۲: ۳۲وغیرہ) کو نظر انداز بھی کردیں توبھی ہم انجیل ثلاثہ میں یہ تعلیم جیساہم دیکھ چکےہیں پاتے ہیں۔

واقعہ صلیب اور مرزائی عقیدہ

ہم اس جگہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کو ان کاعقیدہ یاد دلانا چاہیے ۔ جماعتِ احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ گو حضرت مسیح علیہ السلام صلیبی موت نہیں مرتے تاہم صلیب پر ٹانگے ضرور گئے تھے۔ اور اس واقعہ صلیب کو خواجہ صاحب قرآنی آیات کی بنا پر ہی مانتے ہیں۔ پس ہم خواجہ صاحب سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ قرآنی آیات جن کی رو سے آپ حضرت مسیح کے صلیبی واقعہ پر ایمان رکھتے ہیں مشرکانہ مذاہب سے ماخوذ ہیں اور کیا انہی مشرکانہ عناصر کی بنا پر جو قرآن شریف میں بھی موجود ہیں کہ آپ حضرت مسیح کی صلیب اور اذیت پر ایمان رکھتے ہیں اگرآپ کا جواب نفی میں ہے توآپ کس بنا پر انجیلی واقعہ صلیب کو مشرکانہ عناصر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ہم نے صرف واقعہ صلیب کا بیان کیا ہے اور صلیبی موت کا بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں آپ کو ہم سے اختلاف ہے۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

(۵)

پنجم۔ مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ہونے کی تعلیم۔

پولوس رسول اپنے خطوط میں اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ ہم مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتے ہیں (رومیوں ۱: ۱۷۔ ۳: ۲۲۔ ۳: ۲۶تا ۳۰۔ ۴: ۵، ۲۴۔ ۵: ۱۔ ۱۰: ۴، ۶۔ گلتیوں ۲: ۱۶۔ ۳: ۲۶۔ فلپیوں ۳: ۹ وغیرہ وغیرہ)۔ جب ہم اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں توہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات جب منجئی جہان کسی کو شفا بخشتےہیں تو اپنی ذات اور شخصیت پر ایمان رکھنا اس اعجازی واقعہ کی شرط قرار دیتے ہیں (مرقس ۲: ۵۔ ۵: ۳۴۔ ۱۰: ۵۲۔ متی ۸: ۱۰وغیرہ وغیرہ)مقدس پولوس کے نزدیک ایمان دل کی حالت اور رشتہ کا نام ہے جو خواہ وہ حضرت ابراہیم اور خدا کے درمیان ہو خواہ مسیحیوں اوران کے آقا مسیح کے درمیان ہو۔ (گلتیوں ۳: ۷، ۱۴) روم باب چہارم وغیرہ)۔ ایمان درحقیقت خدا کے فضل و کرم وفاداری اور محبت پر بھروسہ رکھنے کا نام ہے(رومیوں ۴: ۳، ۴: ۱۸، ۲۱)ایمان کی بہترین صورت خدا کی مغفرت کے فضل پر کامل بھروسہ رکھنا ہے اور اسی کو پولوس رسول " مسیح میں ایمان" رکھنا کہتا ہے۔ کیونکہ صرف مسیح کے علم اور اس پر ایمان لانے سے ہی ہم جان سکتے ہیں کہ خدا محبت اور عفو کرنے والا خدا ہے اوراس کی مبارک موت اور پرُجلال قیامت کے ذریعہ ہم کو اس امر کی تشفی

حاصل ہوتی ہے (رمیوں ۳: ۲۲، ۲۶۔ گلتیوں ۲: ۱۶، الخ) یہی وجہ ہے کہ مقدس پولوس رسول کے نزدیک ایمان منجئی عالمین کی موت اور قیامت کے ساتھ وابستہ ہے(رومیوں ۳: ۲۵۔ گلتیوں ۲: ۲۱) اور راستبازی ایمان کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے انسان کے ذاتی اعمال پر اس کا انحصار نہیں (گلتیوں ۲: ۱۶، ۳: ۲، ۱۴ ۔ رومیوں ۳: ۲۷ الخ۔ ۴: ۱تا ۵۔ ۹: ۳۲۔ افسیوں ۲: ۸۔فلپیوں ۳: ۹ وغیرہ)تاکہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ اس کے اپنے اعمال سے نجات کمائی گئی ہے بلکہ یہ محض خدا کا فضل ہے (رومیوں ۳: ۲۷۔ افسیوں ۲: ۸وغیرہ)۔

ایک اور بات یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ تعلیم صرف پولوس رسول کی ہی نہ تھی۔ تمام رسول یہی تعلیم دیتے تھے(گلتیوں ۲: ۱۶)" یروشلیم کی کلیسیا کے رکن" بھی اس تعلیم کی تائید کرتے ہیں(گلتیوں ۲ : ۷تا ۹) پولوس رسول مقدس پطرس کے سامنے اس کو کہتاہے کہ وہ بھی مانتاہے کہ " آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف سیدنا عیسیٰ پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتاہے" اورکہ پطرس رسول" خود بھی سیدنا مسیح پر ایمان" لایا" تاکہ مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرے" نہ کہ شریعت کے اعمال سے (گلتیوں ۲: ۱۶) پطرس خود اپنی ایک معرکتہ الاآر تقریر میں کہتاہے کہ "ہمارا ایمان ہے کہ ہم سیدنا مسیح کےفضل ہی سے نجات پائینگے" (اعمال ۱۵: ۱۱) پس تمام رسول بلکہ تمام مسیحی اس امر میں مقدس پولوس کے ساتھ متفق ہیں۔ اور درحقیقت یہی وجہ تھی کہ پولوس ابتدا میں مسیحیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ اس کے تیز فہم نے ابتدا ہی میں سمجھ لیا تھا کہ مسیح کی صلیب کے ذریعہ راستباز ہونا اور شریعت کے اعمال کے ذریعہ راستباز ہونا دومتضاد باتیں ہیں۔ چونکہ وہ پکافریسی تھاوہ اس بات کی تاب نہ لاسکتا تھا کہ شریعت کو لاحاصل گردانا جائے اور صلیب کے وسیلے گناہوں کی بخشش کی منادی کی جائے صلیب اس کے خیال میں لعنت کا نشان تھی پس اس لئے سارے زور سے اس بات کی کوشش کی کہ کسر صلیب کردے تاکہ راستبازی کامدار صرف شریعت پرہی لیکن ع مادرچہ خیالیم وفلک درچہ خیال

خدا نے اس کو اپنی کلیسیا میں بلایا اور دو متضاد باتوں میں اس سے اس نے صلیب کو قبول کرلیا اور وہ خدا کے فضل وکرم پر ایمان لایا۔ اس کی تعلیم کا یہ مطلب نہیں کہ ناراست آدمیوں کوراستباز قرار دیا جاتاہے یا ان کی ناراستی سے چشم پوشی کی جاتی ہے بلکہ اس کامطلب یہ ہے کہ خدا ناراستوں کو معاف کرتا ہے اور مسیح کی خاطر ان کی ناراستی کو بخش کر محو کردیتاہے اوران سے ایسا سلوک کرتاہے کہ گویا انہوں نے ناراست کام نہیں کئے تھے۔

سطور بالامیں ہم نے یہ ثابت کردیاہے کہ نہ صرف پولوس رسول بلکہ تمام رسول اور مسیحی اسی تعلیم کومانتے تھے جس کا ذکرمقدس پولوس اپنے خطوط میں کرتاہے۔ یہ تعلیم رسولوں کی اپنی من گھڑت تعلیم نہ تھی بلکہ اس کاماخذ خود کلمتہ اللہ تھا۔ اوپر ہم نے ذکر کیا ہے کہ منجئی عالمین کا یہ خیال تھا کہ " خادم یہوواہ" کا تصور آپ کے حسب حال ہے اورآپ پرہی چسپاں ہوتا ہے (لوقا ۴: ۲۲)خادم یہوواہ کی نسبت لکھا تھا کہ " ہماری ہی سلامتی کے لئے اس پر سیاست ہوئی تاکہ اس کے مار کھانے سے ہم چنگے ہوں"(یسعیاہ ۵۳: ۵) "اپنی ہی پہچان سے میرا صادق خادم بہتوں کو راستباز ٹھہرائیگا وہ گنہگاروں کے درمیانی شمار کیا گیا۔ اس نے بہتوں کے گناہ اٹھالئے اور گنہگاروں کی شفاعت کی"(۵۳ : ۱۱تا ۱۲) منجئی جہان نے لفظ" راستبازی" کے یہ خاص معنی

انہی آیات سے اخذ کئے تھے(متی ۱۲: ۳۲-لوقا ۱۸ : ۱۴) اور ان آیات کااطلاق اپنے اوپر کرکےفرمایا تھا کہ وہ " اپنی جان بہتوں کے لئے فدیہ " میں دینگے(متی ۲۰: ۲۸) راستبازی کی یہ تعلیم کلمتہ اللہ نے دی اور دیگر رسولوں نے پولوس کے مسیحی ہونے سے پہلے یہی تعلیم دی۔ پولوس نے بھی یہی تعلیم دی اور پولوس رسول کی یہ تعلیم تمام کی تمام سیدنا مسیح کی تعلیم پر مبنی ہے۔ منجئی عالمین نے یہ تعلیم دی تھی کہ آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا خدا کے فضل وکرم پر منحصر ہے (لوقا ۱۲: ۳۲) اور اس غرض کے لئے خدا کی قدرت اور توفیق لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے (مرقس ۱۰: ۲۷)۔ اس نے فرمایا کہ " تندرستوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو۔ میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں" (مرقس ۲: ۱۷) ۔فریسی جو اپنے اعمال پر تکیہ کرتے تھے راستباز نہ ٹھہرے بلکہ گنہگار جو جانتے تھے کہ خدا کے فضل اور عفو کے سوا کسی شے پرتکیہ نہیں کرسکتے راستباز ثابت ہوئے (لوقا ۱۸: ۹تا ۱۴- ۷: ۹- ۱۹: ۲ الخ وغیرہ وغیرہ)۔جب کلمتہ اللہ نے صلیب پر چور کومعاف فرمایا تو پولوس رسول کے الفاظ میں حضور نے" ناراست کو راستباز ٹھہرایا"(لوقا ۲۳: ۳۹تا ۴۳)جب حضور سرورِ کائنات نے آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونے کی یہ شرط قرار دی کہ لوگ اس کو " بچے کی طرح قبول" کریں(مرقس ۱۰: ۱۵ وغیرہ) توآپ کےذہن میں بھروسا اورتکیہ کا وہی تصور تھا جو پولوس رسول کے نزدیک ایمان کا خاصہ ہے۔ ربنا المسیح نے مالک اور نوکر کی تمثیل میں (متی ۱۸: ۲۱تا ۲۷ یہ تعلیم دی ہے کہ ہر شخص اپنی مسیحی زندگی کوخدا کے اس فضل اور بخشش کے ساتھ شروع کرتا ہے جس کا تعلق اس کےذاتی اعمال کے ساتھ نہیں ہے۔اسی طرح دو قرضداروں کی تمثیل (لوقا ۷: ۴۱تا ۴۷) میں خداوند بعینہ اسی بات کی تعلیم دیتے ہیں جس کو پولوس رسول اپنے الفاظ میں یوں ادا کرتا ہے" اس کا ایمان اس کے لئے راستبازی گنا جاتاہے"۔(رومیوں ۴: ۵ وغیرہ) مقدس پولوس کی راستبازی کی تعلیم کی اعلیٰ ترین مثال مسرف بیٹے کی تمثیل ہے(لوقا ۱۵: ۱۱تا ۳۲) جہاں بیٹا یہ اقرار کرتاہے کہ " میں اب تیرا بیٹا کہلانے کے لائق نہیں رہا"۔ لیکن باپ اس کے ساتھ دوسرے بیٹے سے بھی بہتر سلوک کرتاہے۔ فریسی اور محصول لینے والے کی تمثیل (لوقا ۱۸: ۱۰تا ۱۴) میں محصول جو اپنے گناہوں کا اقرار کرتاہے اس فریسی سے جو اپنے اعمال پر فخر کرتا ہے زیادہ" راستبا ز" ٹھہرتاہے۔ یونانی زبان میں یہاں ہمیں وہی رشتہ دکھائی دیتا ہے جس پر مقدس پولوس اصرار کرتا ہے اور انگوری باغ کے مزدوروں کی تمثیل میں (متی ۲۰: ۱تا ۱۶)۔ منجئی عالمین صاف طورپر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا اعمال پر منحصر نہیں ۔ اور یہ حکیم صادر کرتےہیں کہ " جب تم ان باتوں کی جن کا حکم ہوا تعمیل کرچکو توکہو کہ ہم نکمے خادم ہیں"(لوقا ۱۷: ۱۰)۔

ایک اور بات یہاں قابل غور ہے کہ جب منجئی عالمین توبہ کی تعلیم دیتے ہیں تو اس کامطلب یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں یہ مصمم ارادہ کرلیں کہ ہم اپنے گذشتہ گناہوں کو ترک کرینگے توبہ کا یہی مفہوم پولوس رسول کے ایمان کے ساتھ وابستہ ہے۔ پولوس رسول اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں یوں ادا کرتا ہے " ہم جو گناہ کے اعتبار سے مرگئے کیونکہ آئندہ کو اس میں زندگی گزاریں" (رومیوں ۶: ۲ وغیرہ)۔ اس تعلیم کو سید المرسلین خداوند عیسیٰ مسیح نے شہزادے کی شادی کی تمثیل (متی ۲۲: ۱تا ۱۴) میں واضح کیا ہے اور پھر

فرمایا ہے کہ توبہ اور اقرار محض زبان سے نہیں بلکہ زندگی سے ثابت ہونا چاہیے(متی ۷: ۲۱تا۲۷۔ لوقا ۱۳: ۱۵تا ۲۶وغیرہ) اسی بات کی پولوس رسول اپنے مسیحیوں کو تعلیم دیتا ہے (۱کرنتھیوں ۵: ۷۔ رومیوں چھٹا باب۔ گلتیوں ۵: ۱۳تا ۲۶وغیرہ)۔

ہم یہ امر بھی واضح کئے دیتے ہیں کہ جب پولوس رسول یہ تعلیم دیتا ہے کہ شرعی اعمال پر راستبازی کا انحصار نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پولوس رسول نیک اعمال کو ناچیز شے قرار دیتا ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک توبہ اور نیک اعمال راستبازی کے لئے ضروری اور لازمی امور ہیں۔

پس صاحبِ نظر پر مخفی نہ رہا ہوگا کہ ایمان کے ذریعہ راستبازی حاصل کرنے کے بارے میں پولوس رسول اوراس کے آقا کی تعلیم، اور حقیقت ایک رہی ہے۔ پولوس رسول اپنی تعلیم کو سیدنا مسیح کی تعلیم پر مبنی کرتا ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ منجئی جہان اپنی تعلیم کو سادہ الفاظ میں اور پولوس رسول اسی تعلیم کو فلسفیانہ پیرایہ میں پیش کرتا ہے۔

(۶)

ششم۔ شریعت کے متعلق تعلیم

عموماً خیال کیا جاتاہے کہ اس بارے میں جنابِ مسیح اورآپ کےرسول کے خیالات ایک دوسرے کے متناقض ہیں۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب فرماتے ہیں کہ" مسیح جیسے راستباز اور شریعت پر مصر اوراس کے پابند انسان کو ایسی تعلیمات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ جس کی پہلی بنیاد پولوس جیسے انسان نے ڈالی" صفحہ ۱۲۶ پھر کہتےہیں " پولوس نے شریعت کے احکام توڑدیئے کیونکہ یونانی قیود شرعیہ قبول نہ کرسکتے تھے۔ مسیح کی تعلیم اس کا عمل اس کے خلاف تھا" صفحہ ۱۲۵ ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کلمۃ اللہ کے اس قول کی طرف اشارہ کررہے ہیں" کہ میں توریت یا انبیاء کی کتب کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"(متی ۵: ۱۷)لیکن ہم خواجہ صاحب کو تفسیر کا صحیح اصول یاد دلاتے ہیں کہ قائل کے کسی قول کی تفسیر اس کے دیگر اقوال سے ہی کرنی چاہیے۔پس آیت ۱۷ کی صحیح تفسیر اسی باب کی آیات ۲۱تا ۴۸ سے ہوسکتی ہے۔جہاں جنابِ مسیح فرماتا ہے کہ" تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا ۔۔۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں الخ" انجیل جلیل کےمطالعہ سے ظاہر ہے کہ منجئی جہان اپنی تعلیم میں شریعت کے مختلف حصص میں تمیز کرکے مقدم حصص کو لازم اور عارضی حصص کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں ۔ بعض احکام مثلاً " انصاف ، رحم ۔ ایمان ، وغیرہ لازمی اور ضروری تھے(متی ۲۳: ۲۳)لیکن " قیود شرعیہ" کے خلاف جودرحقیقت "بھاری بوجھ" (متی ۲۳: ۴) تھے سیدنا مسیح نے اپنی صدائے احتجاج کو بلند کیا(متی ۲۳: ۱، ۴، ۱۵، ۲۳: ۹، ۱۳۔ ۱۲: ۷وغیرہ) محض رسمی قیود موخر ہیں لیکن اخلاقی فرائض مقدم ہیں (مرقس ۷: ۱۵تا۲۳۔ ۱۲: ۳۲تا ۳۴ ۔ متی ۹: ۱۳ ۔ ۱۲: ۷) خداوند عالمین نے ان تمام شرعی قیود کو اڑادیا جن سے یہودی ربیوں نے شریعت کو گھیر رکھا تھا۔ مثلاً سبت کا ماننا، روزہ کی قیود طہارت اور غسل اور ہاتھ دھونے وغیرہ کے احکام (مرقس ۲: ۲۳تا ۲۶ ۔ ۲: ۱۸تا ۲۰۔ ۷: ۱، ۲۳وغیرہ)حرام حلال خوراک کے احکام کوخود منجئی عالمین نے رد کیا (مرقس ۷: ۱۹وغیرہ) طلاق کے احکا کے بارے میں سیدنا مسیح نے شرعی احکام کو رد کردیا اوراعلیٰ اخلاقی مطمع نظر ہماری آنکھوں

کے سامنے رکھا(مرقس ۱۰: ۵تا ۹وغیرہ) کلمۃ اللہ کے اقوال وافعال سے ظاہر ہے کہ آپ نہ صرف روز سبت کے بلکہ شریعت کے مالک تھے آپ نے شرعی احکام میں سے ضروری اور لازمی احکام کو غیر ضروری سے جدا کرکے موخر الذکر کو رد کردیا۔ یہی وجہ تھی کہ یہود نابکار آپ کو ہمیشہ مطعون[81] کرتے رہتے آپ نے مقدم الذکر کو اعلیٰ مطمع نظر کے ماتحت کرکے شریعت کو اس کے اصلی اوراعلیٰ مفہوم کےمطابق کامل کردیا۔ مثلاً شرعی حکم " توخون نہ کر" کو یوں کامل کیا کہ اسکے ماخذ یعنی ناجائز غصہ کوممنوع کو قراردیدیا (متی ۵: ۲۱تا ۲۶ علیٰ ہذا القیاس شرعی حکم" توزنا نہ کر" کو یوں کامل کیا کہ اس کے چشمہ یعنی فاسد ارادہ اور بُرے خیال کو ممنوع قراردیدیا (متی ۵: ۲۷تا ۳۰) احکام شرعیہ کا معیار جس سے سیدنا مسیح نے ضروری احکام کوغیر ضروری احکام سے جدا کیا یہ تھا۔ کہ آیا وہ احکام حقیقی روحانیت کا مظہر ہیں یا نہیں۔ (متی ۱۹: ۸۔ ۲۳: ۲۳وغیرہ) اسی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن میں اشارہ کرتاہے جب فرماتاہے وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی مسیح اہل یہود کو مخاطب ہو کر کہیگا کہ میں اس کی تصدیق کرتاہوں جو میرے آگے ہے تو ریت سے اور اس واسطے آیا ہوں کہ میں تمہارے واسطے بعض چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کی گئیں "۔(آل عمران آیت ۴۹)۔

یہودی ڈاکٹر مانٹی فیوری اپنی تفسیر اناجیل ثلاثہ کی تمہید میں سیدنا مسیح اور شریعت کےسوال پر بحث کرتا ہوا کہتا ہے کہ" مسیح نے سبت کے قوانین اورحرام حلال کھانوں وغیرہ پر حملہ کیا۔ اس کی بصیرت اور روحانی روشنی اور خالص مذہبی روح کے سامنے سخت رکاوٹ پیش آئی ۔ شریعت کہتی تھی کہ اس کی رسوم ایک کامل خدا کے الہٰی احکام ہیں اور بنی اسرائیل پر ان کی ادائیگی واجبات میں سے ہے۔ یہ امر مسیح اور اس سے پہلے استادوں کے درمیان متنازعہ فیہ امر تھا۔ اور کشمکش کا شروع بھی اسی سے ہوا۔ ممکن ہے کہ یہودی ربی مثلاً ربی حلیل وغیرہ کے کبھی خیال میں آیاہو کہ اخلاقی قوانین حرام حلال وغیرہ کی قیود سے بہتر ہیں لیکن وہ اس مضمون پر کبھی اس طرح بحث نہ کرتے جس طرح سیدنا مسیح نے کی۔ حلیل ہمیشہ شریعت کا خادم ہی رہا اورا سکی تنقید کرنے کی جرات خواب میں بھی اس کو کبھی نہ ہوئی" صفحہ ۱۱۹ لیکن جہاں حلیل سبت کا خادم تھا وہ سیدنا مسیح " سبت کے مالک تھے"آپ نے لازمی احکام کا معیار حقیقی روحانیت مقرر کیا اورجو احکام اس معیار پر پورے نہ اترے وہ غیر ضروری قرار دئے گئے۔

مقدس پولوس بھی منجئی عالمین کے اسی حقیقی معیار کو مد نظر رکھ کر" شریعت کو قائم رکھتا ہے" (رومیوں ۳: ۳۱۔ ۸: ۴۔ ۷: ۱۲تا ۱۴) جب وہ کہتا ہے کہ اب ہم شریعت کے ماتحت نہیں تو وہ انہی غیر ضروری شرعی احکام کے نظام کا ذکر کرتاہے جو حقیقی روحانیت کی رو سے رد ہوگئے ہیں اوراس امر کی صداقت کی تائید منجئی جہان کے خیالات اقوال وافعال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسیح کے وسیلے شریعت سے آزاد ہوگئے ہیں کیونکہ مسیح خود شریعت کا انجام ہے (گلتیوں ۲: ۲۱۔ رومیوں ۷: ۴۔ ۱۰: ۴، کلسیوں ۲: ۱۴۔ افسیوں ۲: ۱۵) یہودی" شریعت کے جوئے" کے محاورہ سے واقف تھے (اعمال ۱۵: ۱۰۔ گلتیوں ۵: ۱۔ ۲ بروک ۴۱: ۳)خداوند نے اس جوئے سے آزاد کرکے فرمایا" میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو"(متی ۱۱: ۲۹) معرفت اور روحانیت تک ہم شریعت کے وسیلہ پہنچتے ہیں لہذا

---

[81] Monetefiore, Synoptic Gospels. Vol.pp.cxix -cxxi

روحانیت مقدم اور شریعت موخر ہوئی روحانی مطالب الفاظ کے جامہ میں پیش
کئے جاتے ہیں لہذا الفاظ بذاتِ خود کچھ شے نہیں۔ کلمتہ اللہ اورآپ کے رسول
دونوں اپنے اپنے طرز پر اس حقیقت پر زور دیتے ہیں اور دونوں ایسے مذاہب کے
مخالف ہیں جو محض الفاظ پر ہی مبنی ہے اور جو اس روحانی حقیقت کو نظر انداز
کرتا ہے۔ جس کو ادا کرنے کے لئے وہ الفاظ مستعمل کئے گئے ہیں۔ کلمتہ اللہ
فقیہوں کے خلاف تھا کیونکہ وہ کتاب مقدس کے صرف الفاظ پر ہی زور دیتے تھے
اور شریعت کے معاملہ میں بے حد غلو اور مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ ان کا نہ صرف
یہ خیال تھا کہ " شریعت تام دوام قائم رہیگی بلکہ یہ بھی تھا کہ " باری تعالیٰ خود
توریت شریف کا مطالعہ کرتاہے اوراس کے احکام پر عمل پیرا[82] ہے" کلمتہ
اللہ نے ان کی ملامت کی اور فرمایا" تم کتاب مقدس میں ڈھونڈتے ہو کیونکہ تم
سمجھتے ہو کہ اس میں ہمیشہ کی زندگی تمہیں ملتی ہے(یوحنا ۵: ۳۹) ہم کو
زندگی کتاب مقدس کے الفاظ نہیں بلکہ ان کے ذریعہ ملتی ہے۔ الفاظ محض ایک
وسیلہ میں۔ پولوس رسول اپنے خداوند کے اقوال اورلائحہ عمل کواپنے الفاظ میں
یوں ادا کرتا ہے کہ" لفظ مارڈالتا ہے لیکن روح زندہ کرتی ہے۔ پس ہم لفظوں
کے خادم نہیں بلکہ روح کے خادم ہیں"(۲کرنتھیوں ۳: ۶) دونوں ایسے
مکاشفہ کو جو کتاب اور الفاظ اور حروف کی شکل میں ہے اور اس مکاشفہ کے ماتحت
کرتے ہیں جو اعلیٰ ترین اور اکمل وافضل روحانی زندگی اور پاکترین شخصیت
میں ظاہر ہوا۔

جب ہم پولوس رسول کی زندگی پر نظر کرتےہیں توہم دیکھتے ہیں کہ
فریسی ساول پر اس خاص امر میں کلمتہ اللہ کی زندگی نے کتنا عظیم اثر پیدا
کردیا۔ مسیحی ہونے سے پہلے پولوس فریسیوں کا فریسی قیود شرعیہ کا پابند اور
موسوی شریعت پر کاربند تھا وہ خود کہتاہے کہ " یہودی طریق میں۔۔۔ میں
خدا کی کلیسیا کو ازحد ستاتا اور تباہ کرتا تھا اور میں یہودی طریق میں اپنی قوم کے
اکثر ہم عصروں سے بڑھتا جاتا تھا اوراپنے بزرگوں کی روایتوں " میں نہایت
سرگرم تھا"(گلتیوں ۱: ۱۳) ایسا شخص مسیحی ہونیکے بعد بزرگوں کی روایتوں
کو ناچیز جاننے لگتا ہے کیا یہ اس عظیم الشان ہستی کی تعلیم کا نتیجہ نہیں جس
نے بزرگوں کی روایت پر چلنا اور " بے فائدہ" قراردیدیا تھا(مرقس ۶: ۵تا
۷)پولوس رسول خود اقرار کرتاہے کہ " یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا
مکاشفہ ہوا" (گلتیوں ۱: ۱۲) پس ثابت ہوگیاکہ منجئی جہان نے ہی اورآپ
کے اقوال وافعال نے ہی پولوس رسول کو اس قدر متاثر کردیا کہ اس کے خیالات
کی کایا پلٹ گئی اور جس چیز کو وہ پہلے اعلیٰ اور افضل خیال کرتا تھا اسی کو اب وہ
عبث قرار دیتاہے۔ اوراپنے آقا کے اقوال وافعال کی بنا پر ایک فلسفیانہ نظریہ
قائم کرتاہے اور بعینہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے جس کو سیدنا مسیح نے اپنے سادہ الفاظ
میں ادا کیا تھا۔ اسی حکیمانہ نظریہ میں وہ ہم کو شریعت کی حقیقی غایت
بناتاہے(گلتیوں ۳: ۱۹تا ۲۵۔ ۴: ۱تا ۳۔ رومیوں ۵: ۲۰تا ۲۱۔ ۷:
۵تا ۱۲) شریعت اور " جسم" کا تعلق ہم پر ظاہر کرتاہے (رومیوں ۷: ۵تا
۱۲ - ۸: ۴، تاریخ دنیا میں شریعت کی جگہ بتاتاہے (رومیوں ۱۵: ۲۰تا
۲۱۔ گلتیوں ۳: ۱۹تا ۲۵۔ لیکن ہر ایک پہلو میں اس کے فلسفہ کا مرکز خود
سیدنا مسیح کے لائحہ عمل اوراقوال ہی ہیں کیا سیدنا مسیح نے نہیں فرمایا تھا کہ "

[82] Oesterely and Box, Religion and Worship of the Synagogue. Pp.161-77-189.

شریعت اور انبیاء یوحنا تک رہے اس وقت سے خدا کی بادشاہت کی خوشخبری دی جاتی ہے(لوقا ۱۶ : ۱۶)۔

ہم نے صداقت پسند ناظرین کے سامنے کچھ طوالت کے ساتھ مقدس پولوس کی خوشخبری کے اساس بیان کئے ہیں اور ان کا مقابلہ کلمۃ اللہ کے اقوال وافعال سے کرکے دکھایا ہے ہم نے یہ ثابت کیاہے کہ پولوس رسول اپنی منادی میں منجئی عالمین کی زندگی کے واقعات میں کیا کرتا تھا اورآپ کے کلمات طیبات کی تعلیم دیا کرتا اوراس تعلیم سے جائز نتائج بھی اخذ کیا کرتا تھا۔ ہم نے ان عقائد پر مفصل بحث کی ہے جو بالعموم " پولوسی عقائد" کہلاتے ہیں اور جو خصوصیت سے پولوس رسول کی دینیات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ہم نے دکھادیا ہے کہ ان عقائد کا ماخذ اور سرچشمہ صرف اس کے آقا اور منجئی کے اقوال اور افعال ہی ہیں اور اسکے عقائد کی عظیم الشان عمارت" رسولوں اور نبیوں کی نیو پر جس کے کونے کے سرے کا پتھر خود سیدنا مسیح ہے تعمیر" کی گئی ہے (افسیوں ۲: ۲۰) پس خواجہ صاحب کے اقوال رسول مقبول کی دینیات پر چسپاں نہیں ہوسکتے۔ ہم نے ثابت کردیاہے کہ پولوس رسول کی تعلیم کا ماخذ خود سرور انبیاء خداوند عیسیٰ کی تعلیم ہے۔ اگر پولوس کوئی " نیامذہب" منوانا چاہتا تو وہ اپنی تعلیم کو منجئی عالمین کی تعلیم پر مبنی نہ کرتا۔ ہم انصاف پسند ناظرین سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا کوئی شخص مقدس پولوس کی تحریرات اور تعلیمات کو مسیح کی تعلیم کے بغیر سمجھ سکتا یا بیان کرسکتاہے۔ اگر یہ تحریرات منجئی عالمین کی تعلیم سے مستغنی ہوتیں تو سیدنا مسیح کی تعلیم کے بغیر وہ معرض وجود میں آسکتیں اور بیان ہوسکتیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پولوس رسول کے خطوط صرف عہد عتیق اور اناجیل کی روشنی ہی میں واضح ہوسکتے ہیں۔ اگر اس کا ایمان ہے تو وہ مسیح پر ہے اگر اس کا کوئی فلسفہ ہے تو وہ صرف مسیح کی تعلیم پر مبنی ہے اس کی فلسفیانہ زبان صرف مسیح کے کلام حقائق ترجمان پر ہی مبنی ہے۔ وہ اپنے زمانہ کی فلسفیانہ اصطلاحات میں صرف مسیح کے کلمات طیبات کو ہی ادا کرتا ہے کلمۃ اللہ کے اقوال وافعال ہی کی روشنی میں مقدس پولوس نے خدا کی ذات خدا کی قوم اسرائیل، شریعت، صلیب، قربانی، راستبازی وغیرہ کے متعلق اپنے پرانے خیالات کو ترک کیا کرتے تھے اور منجئی جہان کی زندگی موت اور قیامت کے مفہوم کی روشنی میں اس نے اپنے خیالات کو درست کیا تھا۔ چنانچہ فاضل یہودی ربی ڈاکٹر کلاسنر کہتا ہے کہ " بہت یہودی اور عیسائی یہ خیال کرتے ہیں کہ پولوس نے مسیح کی تعلیم کے عبرانی عناصر کی جگہ یونانی اور مشرکانہ عناصر مسیحیت میں داخل کردئے تھے لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح کا درخت ہوتا ہے ویسا ہی اس کو پھل لگتا ہے۔ اگر سیدنا مسیح کی تعلیم میں ایسے اجزا نہ ہوتے جو اسرائیلی نقطہ نظر کے خلاف تھے تو کبھی کوئی ایسی نئی تعلیم پیدا نہ ہوتی جو یہودیت کے اس قدر نقیض ہے نیستی سے کوئی شے ہست نہیں ہوسکتی۔۔۔۔ سیدنا مسیح کی تعلیم میں یقیناً ایسے عناصر پہلے ہی سے موجود تھے جن کا مابعد کے زمانہ میں بڑھ کر یہودی تعلیم کے نقیض ہونا ضرور[83] تھا۔ پھر ایک اورجگہ یہی یہودی عالم لکھتاہے کہ" اگر سیدنا مسیح کی تعلیم میں اس قسم کے اجزا نہ ہوتے تو فریسی ساؤل کے خواب وخیال میں کبھی یہ بات نہ آتی کہ (شرعی احکام وغیرہ کو بالائے طاق رکھا جائے) اور نہ اس بات کو مسیحیت کا قانون بنانے میں اس کو کبھی کامیابی حاصل ہوتی[84] " پس تمام امور پر نظر

[83] Klausner, Jesus of Nazareth: p.9.
[84] Ibid.pp.275-76.

کرکے ایک شیدائے تحقیق صرف اس نتیجہ پر پہنچتاہے کہ درحقیقت مسیح کے اقوال وافعال ہی پولوس کے فلسفہ کامرکزہیں جن کے گرد اس کافلسفہ گھومتاہے اور سرور لانبیاء خداوند عیسیٰ مسیح کی تعلیم اور پولوس رسول کی بنیادی تعلیم ایک ہی ہے اوران میں کسی قسم کااختلاف یا تناقض موجود نہیں گو معاندمت مسیحیت کے جوش اور ولولہ میں خواجہ صاحب نے ایسی باتیں لکھ دی،ہیں جو ان کے دامن علم پر بدنما دھبہ،ہیں۔

باب ہشتم

مشرکانہ مذاہب اور مقدس پولوس کی اصطلاحات خواجہ صاحب کادعویٰ

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ " پولوس جس جماعت کو چھوڑ کر مسیح کے مریدوں میں آملاتھا وہ اس کی طبعاً دشمن ہوگئی ---۔ پولوس کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ مختونوں کو چھوڑ کر وہ غیر مختونوں یعنی یونانیوں ، رومیوں میں اپنی جگہ بنائے----۔ پولوس کامیدان عمل زیادہ تر یونانی اور رومیوں میں ہی محدود ہوگیا جن کی روایت ، عقائد ، خیالات اور طرز عمل کے مطابق پولوس نے مسیح کے نام پر ایک نیا مذہب تیار کردیا--۔ مسیحی مذہب کوہر دلعزیز کرنے کے لئے یا اپنی ذاتی اغراض پوری کرنے کے لئے مسیح کے نام پر ہر ایک عقیدہ مقبولہ یا روایات متدائرہ کو خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط کلیسیا میں داخل کرلیا "صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۷۔ ہم نے گذشتہ باب میں ثابت کردیا ہے کہ خواجہ صاحب کا ایک ایک لفظ غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس فصل میں ہم خواجہ صاحب کے اس خیال پر تبصرہ کرینگے کہ پولوس رسول نے مشرکانہ مذاہب سے یونانی اور رومی اصطلاحات لے کر" ہر ایک عقیدہ مقبولہ یا روایات متدائرہ خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط کلیسیا" میں داخل کرلیاچنانچہ آپ فرماتےہیں کہ " پولوس کے لٹریچر میں نئی سے نئی اصطلاحیں اور نئی سے نئی توجیہیں پیدا ہوگئیں اور پولوس کے بعد کل کلیسی لٹریچر اسی ایک رنگ میں رنگا ہوا نظر آتاہے (صفحہ ۱۰۷) ۔ خواجہ صاحب کا مطلب " نئی سے نئی اصطلاحوں اور نئی سے نئی

توجیہوں " سے یہ ہے کہ وہ یہودی مذہب کی اصطلاحات نہیں تھیں جن سے باقی مسیحی واقف تھے۔ خواجہ صاحب کے برخلاف پروفیسر فلیڈر کہتا ہے کہ "پولوس رسول نے مسیحی دینیات کو اپنے ان یہودی عقائد کی بنیاد پر قائم کیا جووہ مسیحی ہونے سے پیشتر رکھتا تھا۔ اس کی مسیحی تعلیم یہودی علم الہیات کے جامہ میں ملبس[85] ہے۔ جہاں خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ پولوس نے مذاہب باطلہ سے اصطلاحات اخذ کیں وہاں یہ جرمن عالم کہتا ہے کہ پولوس رسول نے اپنی دینیات کی اصطلاحات یہودی فلسفہ اور عقائد سے اخذ کیں۔ اوراس پر کئی ایک مدلل اور مبسوط کتب لکھتا ہے۔

(۱)

اصطلاحات اوران کے استعمال کے اسباب

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مقدس پولوس کی دینیات اس کے اپنے ذاتی روحانی پر مبنی ہے جو اس کو حقیقت پر ایمان لانے سے حاصل ہوا تھا۔ اس تجربہ کو وہ ان الفاظ اوراصطلاحات میں ادا کرتا ہے جن سے اس کے مرید واقف تھے خواہ وہ اصلاحات یہودی فلسفہ کی ہوں خواہ وہ یونانی مذاہب کی اصطلاحات ہوں۔ رسول اپنے آقا کے پیغام کو قدرتاً ان الفاظ میں ادا کرتا ہے جو غیر یہودی اقوام میں رائج تھے جن میں وہ منادی کا کام کرتا تھا۔ اگراس نے مشرکانہ اصطلاحات کا استعمال کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے مشرکانہ "عقیدہ مقبولہ یا روایات متدائرہ" کو مسیحیت میں داخل کردیا۔ ہر مبلغ کے سامنے یہ سوال پیش آتا ہے اور ہر مبلغ قدرتاً اپنے خیالات کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے جو اس کے سامعین میں مروج ہوتے ہیں اگرچہ بعض اوقات ان الفاظ کا مفہوم سامعین کے مذاہب اور مبلغ کے مذہب میں یکساں نہیں ہوتا۔ مثلاً مسیحی مبلغین جب اہل ہنود کو اپنے آقا کا پیغام سناتے ہیں تو عموماً خدا کے لئے لفظ" ایشور" اور نجات کے لئے لفظ " مکتی" استعمال کرتے ہیں کہ کیونکہ یہ الفاظ ان کے سامعین میں رائج ہیں۔ لیکن اس سے کوئی سلیم الطبع شخص یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ چونکہ مسیحی مبلغ اہل ہنود کی اصطلاحات کا استعمال کررہا ہے لہذا وہ اہل ہنود کے" عقیدہ مقبولہ یا روایات متدائرہ کو خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط کلیسیا میں داخل" کررہاہے ۔ اسی طرح جب اہل اسلام میں انجیل جلیل کی خوشخبری کی منادی کی جاتی ہے تو مسیحی مبلغین الفاظ" کلمۃ اللہ " ، "سرورانبیاء" سید الشہدا "۔ سرور کائنات" ، شفیع الامم"۔ رحمتہ العالمین وغیرہ اپنے منجی اور مولا کی شان میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے کوئی باہوش شخص یہ نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا کہ مسیحی مبلغین رسول عربی کی منادی کرتے ہیں اور" ایک نیا مذہب" کھڑا کررہے ہیں جس کا جناب مسیح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ خواجہ صاحب خود انگلستان میں تبلیغ کرتے وقت ان الفاظ اور اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں جو مسیحیت سے مخصوص ہیں اور مسیحی کلیسیا میں مروج ہیں لیکن کوئی ذی ہوش شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا کہ چونکہ خواجہ صاحب ایسی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں لہذا وہ مسیحیت کے عناصر قرآن میں داخل کررہے ہیں ہر مبلغ کو ایسے الفاظ استعمال کرنے پڑتےہیں کے سامعین میں مروج ہیں اگرچہ بعض اوقات ان الفاظ کا مفہوم سامعین کے مذہب میں کچھ ہوتاہے اور مبلغ کے ذہن میں اس کا کچھ مطلب ہوتا ہے۔ لیکن یہ محض زبان کا نقص ہے۔ دنیا میں مشکل سے دوزبانیں ایسی ہونگی جن کے الفاظ کا مفہوم ایک

[85] Pfleidever, Hibbert, Lectures, 1885.

دوسرے کے عین مطابق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ " جب پولوس رسول کو ایسا مروجہ لفظ نہیں ملتا جو اس کے مافی الضمیر کو کماحقہ ادا کرسکے تو وہ ایک نیا لفظ وضع کرلیتا ہے جو اس کے مفہوم کو ادا کرسکے۔ مثلاً وہ " محبت" کے لئے لفظ" اگیپی"ιγιπη استعمال کرتا ہے جو یونانی علم ادب میں نہیں ملتا۔ یونانی علم ادب میں" محبت" کے لئے آیروس εpoς استعمال کیا جاتا[86] جاتا تھا۔ آرچ بشپ ٹرنچ Trench ہم کو بتاتا ہے کہ مروجہ لفظ" ایروس" نفسانی خواہشات اور جسمانی محبت اور شہوت پرستی کے لئے استعمال ہوتا تھا اور چونکہ یہ ناپاک اور پلید مفہوم مسیحی محبت کے مفہوم سے کوسوں دور تھا لہذا وہ اس پاک جذبہ کو ادا کرنے سے قاصر تھا۔ پس مقدس پولوس نے اس اصطلاح کو چھوڑ کر ایک نیا لفظ وضع کرلیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ پولوس رسول یونانی اور رومی اصطلاحات کو استعمال تو کرتا ہے لیکن ان کے استعمال سے وہ مشرکانہ عناصر یا مفہوم یا خیالات کو مسیحیت میں داخل نہیں کرتا۔ جس طرح وہ اپنے خطوط تحریر کرتے وقت یونانی زبان کا استعمال کرتا ہے اسی طرح وہ ان یونانی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے۔ دونوں مسیحی ایمان کی تلقین و تبلیغ کا محض وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس وہ یہودی سامعین کے لئے یہودی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے(اعمال باب ۱۳ ، رومیوں باب ۲ تا ۷ فلپیوں ۲: ۵تا ۱۱وغیرہ تاکہ یہودی اس کی تقریر وتحریر کو سمجھ لیں ڈاکٹر بیکن جیسا شخص جو مسیحیت اور مشرکانہ مذاہب کے تعلق کا حامی ہے کہتا ہے "پولوس نے مسیح کی انجیل کے دو ترجمے کئے ۔پہلا وہ ہے جو یہودی ربیوں کی اصطلاحات اور الفاظ میں کیا گیا ہے دوسرا وہ ہے جواس کے غیر یہودی مرید سمجھ سکتے تھے۔ لیکن ان دونوں

[86] Liddel and Scott's Greek,English,Lexicon

صورتوں میں ایک ہی زندگی بخش پیغام موجود ہے۔ مسیح کی انجیل ان الفاظ واصطلاحات میں جذب نہیں ہوجاتی بلکہ برعکس اس کے وہ اس انجیل کی اشاعت کا ذریعہ بن جاتے ہیں[87]۔ پس بعض اوقات وہ اہل یہود کے الفاظ واصطلاحات کا استعمال کرتا ہے مثلاً جب وہ کہتا ہے کہ " مسیح جو گناہ سے واقف نہ تھا اسی کو خدا نے ہمارے واسطے گناہ ٹھہرایا"(۲کرنتھیوں ۵: ۲۱مقابلہ کرو یسعیاہ ۵۳: ۹)یا" وہ ہمارے قصور کے سبب حوالہ کردیا گیا" اورہمارے راستباز ٹھہرانے کے لئے جلایا گیا۔ ہم ابھی " مرد بیمار" ہی تھے اور "گنہگار" اور " دشمن" تھے توہم اس کے خون کے باعث اب راستباز ٹھہرے" اور" ہمارا میل " ہوگیا" اورہم اس کی زندگی کے سبب ضرور بچیں گے" (رومیوں ۴: ۲۵تا ۵: ۱۱) یہ تمام الفاظ مقدس پولوس کتاب یسعیاہ کے ۵۳باب سے اخذ کرتا ہے۔ روحانی" نئے مخلوق کے لئے وہ مخصوص الفاظ استعمال کرتا ہے جو اہل یہود مصر کی غلامی سے رہائی پانے کے لئے استعمال کرتے تھے ۔ بپتسمہ اور عشاکے ربانی کے لئے وہ عہد عتیق کی نظیریں پیش کرتا ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۰: ۱تا ۱۱) بعض اوقات اس کا طریقہ استدلال بھی یہودی ربیوں[88] کا سا ہے (گلتیوں ۳باب) اسی طرح وہ بعض اوقات مشرکانہ مذاہب کے الفاظ واصطلاحات کا استعمال کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ مسیحیوں کو مسیح کے" سپاہی" یاغلام"کہتا ہے یا ان پر ظاہر کرتا ہے کہ تم" قیمت سے خریدے گئے ہو" پس اب" مسیح تم میں بستا ہے" وغیرہ وغیرہ ۔ مشرکوں میں سے جو مسیحی ہوئے تھے وہ ان اصطلاحات والفاظ سے بخوبی واقف تھے لیکن خواجہ صاحب ذرا غور

[87] B.W.Bacon, Jesus and Paul.p.68.
[88] Moffat, Paul and Paulinism, pp.55-57.

فرمائیں کہاں ڈایونیسیس یا اطیس دیوتا کا لوگوں میں "بسنا" اورکہاں کلمۃ اللہ کا
لوگوں کے دلوں میں " بسنا" ۔لفظ " بسنا" اصطلاحی لحاظ سے توایک ہی ہے جو
مشرکین اور پولوس رسول استعمال کرتےہیں لیکن ایک ناپاک دیوتا کا بسنا جس
کے پلید افعال کا ہم ذکر کرچکے ہیں ایک معنی رکھتا ہے اور کلمۃ اللہ اور ابن اللہ
کا بسنا جو وجیہاً فی الدنیا والاخرۃ ہے بالکل علیحدہ مفہوم رکھتاہے جس طرح شیطان
کا آدمی کے دل میں بسنا ایک ایسی حقیقت ہے جو خدا کے انسانی دل میں بسنے
سے بالکل جدا ہے گو لفظ "بسنا " مشترکہ لفظ ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدس
پولوس ان دیوتاؤں کو" شیاطین " خیال کرتا تھا(۱ کرنتھیوں ۱۰ : ۲۰)
پس ان الفاظ سے پولوس رسول کے مرید سمجھے کہ " پہلے شیطان ہمارے دل میں
بستا تھا اب مسیح کو ہمارے دل میں بسنا چاہیے "۔ پس گو پولوس رسول ایسے
الفاظ استعمال کرتا ہے جو اہل یہود اور مشرکین میں مروج تھے لیکن وہ ان الفاظ
کے مفہوم میں سرورِ انبیاء خداوند عیسیٰ مسیح کی روح پھونک دیتا ہے جس سے وہ
مفہوم بالکل تبدیل ہوجاتاہے۔ یہ بعینہ ایسا ہے جیسا موجودہ علم کیمیا
(Chemistry) اور قدیم علم کیمیا (Alchemy) کے الفاظ واصطلاحات کا
استعمال کرتاہے لیکن دونوں علوم میں زمین وآسمان کافرق ہے۔ اسی طرح
مقدس پولوس کے الفاظ اوریہودی اورمشرکانہ الفاظ میں گو سطحی مشابہت ہے
لیکن درحقیقت دونوں کے عقائد میں زمین آسمان کافرق ہے چنانچہ نقاد شویٹزر
کہتا ہے کہ" پولوس اور یونانیت دونوں کے اصطلاحات مشابہ ہیں لیکن ان کے
تصورات میں بعد المشرقین ہے[89] ہے۔

[89] Schweitzer, St, Paul and His Interpreters, p.238.

درحقیقت سوال زیر بحث یہ ہے کہ آیافی الواقع ان مشرکانہ اصطلاحات
نے مقدس پولوس پر اس قدر اثر کیا کہ وہ مشرک بن گیا اوراس نے " مسیح کے
نام پر ایک نیا مذہب تیار کردیا" صفحہ ۱۲۶ ۔ ہم سرور کائنات خداوند عیسیٰ
مسیح کی تعلیم کا مقدس پولوس کی تعلیم کے ساتھ مقابلہ کرکے دکھاچکے ہیں کہ
حضرت خواجہ صاحب صداقت سے بہت دورُ بھٹک رہے ہیں مشرکانہ الفاظ کا
استعمال مقدس پولوس کے روحانی تجربہ اور زندہ ایمان کی تشریح نہیں کرسکتا۔
اگرہم محض الفاظ کوہی پکڑے رہینگے تو گویا ایک مردوڈھانچہ کوپکڑے ہیں جس
میں زندگی کا دم نہیں ہے۔ اس کے تمام حقائد اس روحانی تجربہ پر مبنی ہیں جو
دمشق کی راہ میں اس کوحاصل ہوا تھا۔ اس کےعقائد نے نہ تو یروشلیم کی یہودی
فضامیں شکل پکڑی تھی اور نہ تارسس کے یونانی ماحول میں صورت پکڑی تھی بلکہ
عرب کے ریگستان میں اس نے اپنے عقائد کو اپنے روحانی تجربہ کی بنا پروضع کیا
تھا (گلتیوں ۱ : ۱۷ تا ۲۰)۔ لہذا جو نظریہ اس تجربہ کو نظر انداز کرتاہے وہ نکما
ہوگا کیونکہ وہ محض الفاظ اور اصطلاحات پرہی زوردیگا۔ حالانکہ مقدس پولوس کا
مقصد یہ تھا کہ اپنے مریدوں پر ان کے مروجہ الفاظ میں ظاہر کرے کہ خدانے اس
پر اور دوسروں پر کیسا عظیم احسان کیا ہے (رومیوں ۵: ۸۔ ۱ کرنتھیوں
۱۵ : ۱۰ - ۱۵ : ۵۵تا ۵۷وغیرہ)۔ پُرانے الفاظ اور اصطلاحات سے " ایک
نیا مذہب" تیار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ الفاظ ایک نئے تجربہ کے مظہر نہ
ہوں اور پولوس رسول نے یہ نیا تجربہ جیسا وہ خود بار بار اقرار کرتاہے مسیح سے
حاصل کیا تھا۔ اس تجربہ کے نتائج کووہ کبھی توعہد عتیق کےعقائد اور پیشین
گوئیوں کے الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔ کبھی وہ اپنے قدیم فریسی عقائد کے پیرایہ
میں بیان کرتاہے کبھی مشرکانہ مذاہب کی اصطلاحات کے پیرایہ میں بیان

کرتاہے کبھی وہ اپنے ہمعصر ربیوں کے طرز استدلال کو اختیار کرتاہے اور یہ سب کچھ کرتاہے تاکہ وہ دوسروں کو اس مسیح کے پاس اس کھینچ لائے جس نے اس کو گناہ کے پنجہ سے چھڑایا تھا۔ اسی بات کووہ اپنے الفاظ میں یوں ادا کرتا ہے"۔ میں یہودیوں کے لئے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں ۔۔۔۔ بے شرع لوگوں کے لئے بے شرع بنا تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں۔۔۔۔میں سب آدمیوں کے لئے سب کچھ بنا ہوا ہوں تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں اور میں سب کچھ انجیل کی خاطر کرتا ہوں تاکہ اوروں کے ساتھ اس میں شریک ہوں"(۱ کرنتھیوں ۹: ۲۰) اس آیہ شریفہ کا مطلب خواجہ صاحب غلط سمجھے کہ" مسیحی مذہب کو ہر دلعزیز کرنے کے لئے یا اپنی ذاتی اغراض پوری کرنے کے لئے مسیح کے نام پر ہر ایک عقیدہ مقبولہ یا روایات متدائرہ کو خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط کلیسیا میں داخل کرلیا جائے" صفحہ ۱۲۷۔ نہیں صاحب جیسا ہم نے ظاہر کردیا پولوس رسول کی تقریریں اور تحریر ثابت کرتی ہیں کہ اس کا ایسے ناپاک خیال سے کسی طرح کا علاقہ نہ تھا۔ اس کے " الفاظ کا صاف اور موٹے الفاظ میں ترجمہ" صفحہ ۱۲۶) یہ ہے کہ اہل یہود کی خاطر میں نے مسیح کی انجیل کو یہودیوں کے الفاظ میں پیش کیا"۔ یونانیوں اور رومیوں کے لئے میں نے اسی انجیل کو انہی کے الفاظ میں پیش کیا تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں اور یہ میں سب کچھ انجیل کی خاطر کرتا ہوں تاکہ اوروں کے ساتھ اس میں شریک ہوں" دنیا کی ہر اُمت کے پاس خدا تعالیٰ نے اتمام الحجت کی خاطر رسول بھیجے ہوں جوان کو ان کی ہی زبان میں بشارت دیتے ہیں۔

عربی زبان میں قرآن نازل ہونے کی وجہ یہی بیان کی گئی ہے" اگر ہم اس قرآن کو عربی کے سوا دوسری زبان کا قرآن بناتے تو یہ کفار مکہ ضرور کہتے ہیں کہ اس کی آیات ہماری ہی زبان میں ہم کو اچھی طرح کھول کر کیوں نہ سمجھائی گئیں (حم سجدہ آیت ۴۴ ترجمہ نذیر احمد)۔ جس طرح اتمام حجت کی خاطر عربوں کے لئے ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا تاکہ محمد عربی عربوں کو خدا کے پاس کھینچ لائے اسی طرح اتمام حجت کی خاطر پولوس رسول مشرکین کی خاطر ان کی ہی زبان اور ان کے ہی الفاظ اوران کی ہی اصطلاحات میں انجیل کے پیغام کو پیش کرتاہے تاکہ الفاظ رسول مقبول" کسی طرح سے بعض کو بچاؤں"۔

(۲)

مشرکانہ اصطلاحات

جب ہم مقدس پولوس کی اصطلاحات پر نظر کرتے ہیں جو وہ استعمال کرتاہے تو ہم پر یہ امر واضح ہوجاتاہے کہ وہ اس کثرت سے مشرکانہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال نہیں کرتا جتنا خواجہ صاحب بعض مغربی نقادوں کو کورانہ تقلید میں کہتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ باب میں جہاں ہم نے سرور انبیاء کی تعلیم کا مقابلہ مقدس پولوس کی تعلیم کے ساتھ کیا تھا ہم نے بار بار دیکھا تھا کہ رسول مقبول سیدنا مسیح کی تعلیم کو مروجہ یہودی فلسفیانہ اصطلاحات میں ادا کرتاہے۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ وہ مروجہ مشرکانہ اصطلاحات کا استعمال بھی کرتا ہے اوراسکی وجہ بھی ہم نے بیان کردی۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ وہ مذاہب باطلہ کی اصطلاحات اس کثرت سے بیان کرتاہے یا ان پر اس قدر زور دیتا ہے کہ مسیحیت" ایک نیا مذہب" ہوجاتاہے۔

اصطلاح "نجات دہندہ"

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے مثال کے طور پر ہم دو تصورات کو لیتے ہیں جو مشرکانہ مذاہب اور مقدس پولوس میں مشترک ہیں۔ پہلا تصور نجات کا ہے اور دوسرا ایک ایسا اہم لفظ ہے جو مقدس پولوس کی تحریرات میں ہم کو بار بار ملتاہے اور جس سے مشرکانہ مذاہب موسوم بھی ہیں یعنی لفظ" سر" یا بھید جس کی وجہ سے یہ مذاہب باطلہ " مذاہب اسرار" بھی کہلاتے ہیں۔ اول لفظ نجات دہندہ مشرکانہ مذاہب کے معبود عموماً " نجات دہندہ یا" منجی " کہلاتے تھے اور دور حاضرہ میں سیدنا مسیح کے لئے مسیحی واعظین اور مبشرین اس لفظ کو بکثرت استعمال کرتے ہیں لیکن خواجہ صاحب حیران ہونگے کہ یہ لفظ انجیل جلیل میں صرف چھ جگہ وارد ہواہے اور مقدس پولوس اس لفظ" منجی" کو اپنے تمام خطوط میں صرف دوجگہ استعمال کرتاہے یعنی ایک دفعہ افسیوں کے اور ایک دفعہ فلپیوں کے خط میں سادر اپنے بڑے خطوط میں جس میں وہ اپنی تعلیم کو شرح وبسط کے ساتھ بتاتاہے اس لفظ کو ایک دفعہ بھی استعمال نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ" نجات دہندہ" مشرکانہ معبودوں کے لئے ہمیشہ استعمال ہوتا تھا۔ اسی طرح لفظ" مبدائے فیض" ان دیوتاؤں کے لئے ہمیشہ استعمال کیا جاتا تھا اوریہی وجہ ہے کہ انجیل جلیل میں یہ لفظ ایک دفعہ بھی وارد نہیں ہوا۔

نجات کے مسیحی مفہوم اور مشرکانہ مفہوم میں کسی قسم کی بھی مشابہت نہیں مشرکین سیاروں اوران کے اثرات اور قسمت وغیرہ سے جادو ٹوٹکہ منتر جھاڑ پھونک وغیرہ کے ذریعہ نجات ڈھونڈتے تھے ان کا حال بالکل ہندوستان کے ہندوؤں کا سا تھا جو کرم اور کروڑوں جونوں کے چکر اور قسمت کے پھیر سے نجات چاہتے ہیں ۔ وہ گناہ سے نجات کے طالب نہیں تھے یہ مسیحیت کی خصوصیت ہے کہ وہ اس دنیا میں گناہ اور بدی کی طاقت سے اوراس کے پنجہ سے نجات دینے کی مدعی ہے پس مقدس پولوس کے مفہوم اور مشرکانہ مذاہب کے مفہوم میں بعد المشرقین ہے۔

اصطلاح " سر" یا بھید

دوم لفظ" سر" (یونانی = μυστηριου انگریزی =Mystery مشرکانہ مذاہب میں اصطلاحی طورپر بیان رسوم کے لئے رائج تھا جو بپتسمہ اور عشائے ربانی کے مشابہ تھیں اور قدرتاً اس لفظ کا اطلاق ان مسیحی رسوم پر کیا گیا اور یہ لفظ اور بھی آسانی سے کلیسیا میں مروج ہوگیا کیونکہ وہ انجیل میں پہلے سےموجود[90] تھا اور عہد عتیق کے یونانی ترجموں میں بھی مستعمل ہوچکا تھا۔ مثلاً" کیا تونے خدا کے بھید کو سن پایا" (ایوب ۱۵ : ۸)۔ خداوند کا بھید ان پاس ہے جو اس سے ڈرتے ہیں" (زبور ۲۵: ۱۴)۔ اسی طرح امثال ۱۶ : ۱۳ - ۲۰: ۱۹ - میں بھی یہ لفظ وارد ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اہل یہود کی دیگر کتب مقدسہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے مثلاً توبت ۱۲ : ۷- ۱۲: ۱۱ - جوڈتھ ۲: ۲- ۲مکابیوں ۱۳: ۲۱- دانش ۲: ۲۲- ۶: ۲۴- ۱۴: ۱۵- ۱۴- ۲۳ - وغیرہ وغیرہ ان تمام حوالہ جات میں لفظ" بھید" کا ترجمہ اسی یونانی لفظ μοστηριου سے کیا گیا ہے۔ اسی طرح دانی ایل نبی کی کتاب کے ارامی حصہ (باب دوم) میں یہ لفظ "بھید" آٹھ دفعہ استعمال ہوا ہے ۔ انجیل جلیل کی کتب میں اناجیل ثلاثہ میں یہ لفظ وارد ہوا ہے۔سیدنا مسیح اپنے شاگردوں

[90] J.Armitage Robinson, Ephesians.p.234 ff.

سے فرماتے ہیں "تم کو خدا کی بادشاہت کا بھید دیا گیا ہے "(مرقس ۴: ۱۱۔ متی ۱۳: ۱۱۔ لوقا ۸: ۱۰) وہاں بھی یہی یونانی لفظ μοστηριου استعمال کیا گیا ہے۔ یوحنا عارف کے مکاشفہ میں یہ لفظ چار دفعہ وارد ہوا ہے۔ مثلاً خدا کا بھید اس انجیل کے مطابق جو اس نے اپنے خدمتگذار انبیاء کو دی تھی پورا ہوگا"(۱۰: ۷) اس کا مقابلہ عموس ۳: ۷ سے کروجہاں یہ مرقوم ہے کہ " یقیناً خداوند یہوواہ کچھ کام نہیں کرے گا مگر جس حال کہ وہ اپنا بھید اپنے خدمت گذار نبیوں پر آشکارا نہ کرلے"جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ μοστηριου یعنی "بھید یا سر" اصطلاحی طورپر "خدا کے بھید" کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

پولوس رسول کا اس اصطلاح سے کیا مطلب تھا؟ اس سوال کا جواب ہمیں کرنتھیوں کے پہلے خط میں ملتا ہے جہاں پولوس کہتا ہے کہ " اے بھائیو جب میں تمہارے پاس آیا اور تم کو خدا کے بھید کی منادی کرنے لگا تو اعلیٰ درجے کی تقریر یا حکمت کے ساتھ نہیں آیا۔۔۔ہم خدا کی وہ پوشیدہ حکمت بھید کے طور پر بیان کرتے ہیں جو خدا نے جہان کے شروع سے پیشتر ہمارے جلال کے واسطے مقرر کی تھی"(۱کرنتھیوں ۲: ۱تا۷) یہاں ہم کو اس لفظ کا وہ مطلب دکھائی دیتا ہے جو مقدس پولوس خصوصیت کے ساتھ اس لفظ سے لیتا ہے یعنی خدا کا پوشیدہ مطلب جو اس کے تصور میں انسان کے لئے ہے اور یہی مطلب مکاشفات ۱۰: ۷ اور عموس ۳: ۷ سے ظاہر ہے جس کا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں کہ یہ لفظ اصطلاحی طورپر " خدا کے بھید" یا پوشیدہ مطلب کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اسی واسطے پولوس رسول فرماتاہے " آدمی ہم کو مسیح کا خادم اور خدا کے بھیدوں کا مختار سمجھے"(۱کرنتھیوں ۴: ۱) یعنی ہم خدا کا وہ پوشیدہ مطلب ظاہر کرتے ہیں جو اس کے دل میں ہے اور جو وہ انسان کے حق میں رکھتا ہے۔ اسی واسطے رسول مقبول یہ نہیں چاہتا کہ رومی مسیحی " اس بھید سے ناواقف "رہیں (رومیوں ۱۱: ۲۵) اوران کے حق میں دعا کرتاہے کہ "خدا جو تم کو میری خوشخبری یعنی سیدنا مسیح کی منادی کے موافق مضبوط کرسکتا ہے اس بھید کے مکاشفہ کے بموجب جو ازل سے پوشیدہ رہا۔ مگر اس وقت ظاہر ہو کر خدائے ازلی کے حکم کے مطابق انبیاء کی کتب کے ذریعہ سب قوموں کو بتایا گیا تاکہ وہ ایمان کے تابع ہوجائیں"(۱۶: ۲۵) جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس " بھید" کا تعلق خاص طورپر غیر اقوام کےساتھ ہے یعنی کہ خدا کا بھید جو ازل سے پوشیدہ رہا اوراب ظاہر ہوا ہے یہ ہے کہ غیر اقوام اوراہل یہود دونوں خدا کے مقبول فرزند ہوسکتے ہیں اگروہ منجی عالمین پر ایمان لائیں چنانچہ وہ وہ کلسیوں کو کہتا ہے ہے" میں خدا کے اس انتظام کے بموجب خادم بنا جو تمہارےواسطے میرے سپرد ہوا تاکہ میں خدا کے کلام کی پوری پوری منادی کروں یعنی اس بھید کی جو تمام زمانوں اور پشتوں سے پوشیدہ رہالیکن اب اس کے ان مقدسوں پر ظاہر ہوا جن پر خدا نے ظاہر کرنا چاہا کہ غیر قوموں میں اس بھید کے جلال کی دولت کیسی کچھ ہے اوروہ یہ ہے کہ مسیح جو جلال کی امید ہے تم میں رہتا ہے(۱: ۲۵تا۲۶)۔ مسیح موعود کا غیر اقوام میں رہنا ! یہ" بھید" تھا جو وہ خدا نے اپنے رسولوں پر" ظاہر " کیا کوئی شخص اس بات کا تصور بھی نہ کرسکتا تھاوہ اہل یہود پر " تمام زمانوں اورپشتوں سے پوشیدہ رہالیکن اس کے مقدسوں پر ظاہر ہوا" تاکہ غیر اقوام "خدا کے بھید یعنی مسیح کو پہچانیں" (۲: ۲) پھر پولوس رسول افسیوں کو بھی یہی فرماتاہے کہ "خدا نے اپنی مرضی کے بھید کو اپنے اس نیک ارادے کے موافق ہم پر ظاہر کیا جسے اپنے آپ میں ٹھہرایا لیا تھا تاکہ

زمانوں کے پورا ہونے کا ایسا انتظام ہو کہ مسیح میں سب چیزوں کا مجموعہ ہوجائے خواہ وہ آسمان کی ہوں خواہ زمین کی"(۱: ۹تا ۱۰)اوران پر مفصل ظاہر کرتا ہے کہ" یقیناً تم نے خدا کے اس فضل کے انتظام کا حال سنا ہوگا جو تمہارے لئے مجھ پر ہوا یعنی میں مسیح کا وہ بھید کس قدر سمجھتا ہوں جو اور زمانوں میں بنی آدم کواس طرح معلوم نہ ہوا تھا جس طرح اس کے مقدس رسولوں اور نبیوں پرروح میں اب ظاہر ہوگیا ہے یعنی یہ کہ مسیح یسوع میں غیر قومیں خوشخبری کے وسیلے میراث میں شریک اور بدن میں شامل اور وعدے میں داخل ہیں" (۳: ۱تا ۶) پس پولوس رسول کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا ازلی ارادہ جواب پورا ہوا ہے اور جو شروع سے اس کا بھید تھا یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ میں اہل یہود اور غیر اقوام دونوں خدا کی مقبول امتیں ہوسکتی ہیں اور یہ اس مفہوم سے ماخوذ ہے جو عموس ۳: ۷ میں ملتا ہے کہ" تحقیق خداوند یہوواہ کچھ کام نہیں کرے گامگر جس حال کہ وہ اپنا بھید اپنے خدمتگذار نبیوں پرپہلے آشکارا نہ کرے۔

مشرکانہ مفہوم اور پولوس کے مفہوم میں فرق

اب جبکہ ہم کو مقدس پولوس کا مفہوم معلوم ہوگیا جو وہ اس لفظ "سر" یا "بھید" سے لیتا تھا ہم جناب خواجہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس لفظ سے مشرکانہ مذاہب یہی مرادلیتے تھے۔کیا پولوس رسول کامفہوم ان مشرکانہ مذاہب کے مفہوم سے ماخوذ ہے۔مشرکانہ مذاہب میں بھید کا مفہوم یہ تھا کہ وہ ایک راز ہے جودوسروں پر ظاہر نہ کیاجائے۔ اس کے برعکس پولوس رسول کامطلب یہ ہے کہ وہ ایک بھید تھا۔ یہ سب پر منکشف کیا جاتا ہے" مجھ پر جو سب مقدسوں میں چھوٹے سے چھوٹاہوں یہ فضل ہوا کہ میں غیر قوموں کو مسیح کی بے قیاس دولت کی خوشخبری دوں اور سب پر یہ بات یہ روشن کروں" (افسیوں ۳: ۹) کہ" سیدنا مسیح میں غیر قومیں خوشخبری کے وسیلے میراث میں شریک ، بدن میں شامل اور وعدے میں داخل ہیں" اور اپنے مریدوں سے کہتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو" تاکہ بولنے کے وقت مجھے کلام کرنے کی توفیق ہوجس سے میں خوشخبری کے بھید کو دلیری سے ظاہر کروں جس کے لئے زنجیر سے جکڑا ہواایلچی ہوں (افسیوں ۶: ۱۹)۔ پس ہر منصف مزاج شخص خود فیصلہ کرسکتا ہے اور دیکھ سکتاہے کہ پولوس رسول ایک ایسی اصطلاح کا استعمال کرتا ہے جویہود اور مشرکین میں مروج تھی لیکن پولوس رسول کے مسیحی مفہوم اورمشرکانہ مفہوم میں بعدالمشرقین ہے اورعہد عتیق کے مفہوم کے مطابق ہے۔

خواجہ صاحب پر بھی یہ امر ظاہر ہوجاتا اگرآپ ملاحدہ یورپ کو خدا اور ان کی کتابوں کو صحائف آسمانی نہ سمجھتے اوران کی تحقیق کو" آخری لفظ" قرار نہ دیتے لیکن چونکہ آپ ملاحدہ کے دلائل کا دفتر (جن میں مغالطات کے سوا اور کچھ نہیں لے کر بیٹھ گئے اور بمصداق ع

آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگوئم

ان کی صدائے باز گشت ہی رہے لہذا آپ نے خود اپنے اندر کوئی اجتہادی قوتِ فکر پیدا نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ قدم، قدم پر لغزش کھاتے ہیں۔ اوراپنے مزعومات تسلیم نہیں کراسکتے۔

باب نہم

اسلام اور مشرکانہ عناصر

اسلام میں مشرکانہ عناصر کا وجود

جب ہم اسلام اور اسلامی عقائد کی تاریخ پر نظر کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہم پر واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام پر یہودی، مسیحی، یونانی، ہندی، زرتشتی ایرانی اور دیگر مشرکانہ خیالات نے بڑا اثر کیا۔ چونکہ ینابیع الاسلام اور تالیف القرآن کے مصنفین نے ان خیالات کا اثر جو قرآن میں ظاہر ہے واضح کردیاہے ہم ناظرین کو ان دو کتابوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں اوریہاں نہایت مختصر طور پر تاریخ اسلام پر نظر کرینگے اور ثابت کرینگے کہ مذکورہ بالا غیر اسلامی عناصر نے اہل قرآن پر کس قدر اثر کیاہے۔

مولوی خدا بخش صاحب ۔ ایم ۔اے ۔ بی ۔ سی ۔ ایل ۔ جو کلکتہ یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کے پروفیسر ہیں ایک مضمون میں اسلامی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈال کر فرماتے ہیں کہ " محمد ﷺ نے جدت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا---۔ اس کا مذہب مختلف مذاہب کا نچوڑ ہے۔ اس نے یہودیت مسیحیت اور ایرانی مذھب سے نہایت آزادانہ طور پر ماخوذ کیا---۔اگر اسلام پر مسیحیت نے اثر ڈالا تو یہودیت اور ایرانیت اور یونانیت نے بھی اسلام پر بڑا گھرا اثر ڈالا ۔ نبی کے زمانے میں یہود سے زیادہ خدا کی وحدانیت پر کوئی قوم اصرار نہیں کرتی تھیں اوراسلام کے اس بنیادی تصور کا یہی چشمہ ہے۔اسی طرح دیگر یہودی عناصر ہم کو اسلام میں ملتے ہیں جن کا ذکر کرنے کے لئے ایک طومارچاہیے----۔ یونانی اور ایرانی تہذیب کا اثر ارامی زبان کے ذریعہ اسلام پربہت پڑا اوراسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہ اثر کتنا زبردست تھا---۔ اسلام نے نہایت آزادی سے مختلف اطراف وجوانب سے روشنی حاصل کی۔ اسلام کا ڈہانچہ وہی یہودیت اور مسیحیت کا ڈھانچہ ہے۔ مثلاً نماز، طہارت ، تہوار ، کتب اور انبیاء وغیرہ وہی ہیں۔ سبت کا اصول اختیار کیا گیا لیکن اتوار کی بجائے جمعہ کا دن اختیار کیا گیا اوریہاں ایرانی اثر ہم کو ملتاہے جس کی وجہ سے سبت کو روز آرام قرار نہ دیا گیا۔ایرانی خیالات نے دیگر وسائل کےذریعہ بھی اسلام کو زیر اثر رکھا تھا---۔ اسلامی رکوع وسجود ایک یہودی مسیحی فرقہ سے اخذ کیا گیا تھا کیونکہ قوم عرب میں سجود کی رسم جاری نہیں تھی۔ نبی کی وفات کے بعد اسلام میں دیگر مذاہب کےعناصر ایک بڑے پیمانے پر داخل ہونے لگ گئے۔ جب ایران، شام ، مصر ، ایشیائے کوچک وغیرہ ممالک اسلامی سلطنت کے جزو بن گئے توان ممالک کی اقوام کے خیالات اسلام میں جذب ہوگئے ہمیں یونانی ، شامی، مصری اور ایرانی لباس میں ایک تحریک نظر آتی ہے جسکو ہم مسیحی یونانی تحریک سے موسوم کرسکتے ہیں اور نوخیز اسلامی سلطنت نے اس تہذیب کو قبول کرکے اپنے مستقبل کا فیصلہ کردیا۔ مفتوح اقوام کی تہذیب نے ایک صدی تک اسلام اور عربی تہذیب کا مقابلہ کیا اور بالآخر فاتح ہوگئی "[91]۔

[91] A Mohammadan View of Islam and Christianity by S.Khuda Bakhsh.Moslem *world* for October 19 6

اسلام اور مشرکانہ اصلاح "سر"

گذشتہ باب میں ہم نے ثابت کردیا ہے کہ مسیحیت میں مشرکانہ عناصر ہرگز دخل نہ پایا ہم نے مقدس پولوس کے لفظ" بھید" پر مفصل بحث کرکے دکھادیا ہے کہ لفظ μοστηριου یعنی "بھید" کے مشرکانہ مفہوم کا اثر مسیحیت اور پولوس رسول پر بالکل نہیں پڑا لیکن اس مفہوم کا اثراسلام کے عقائد پر متھرا دیوتا کے مذہب کے ذریعہ جس کی ابتدا ایران میں ہوئی تھی ضرور پڑا۔ اسلامی عقائد کے مطابق چند باتیں ایسی ہیں جو عوام الناس پر ظاہر نہیں کرنی چاہئیں بلکہ ان سے خفیہ رکھنی واجب ہیں۔ اور بعینہ یہی مفہوم تھا جو مشرکانہ مذاہب میں رائج تھا اور جس کی وجہ سے وہ مذہب باطلہ " مذاہب اسرار" کہلاتے تھے ۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب جو بقول سرسید احمد "علمائے متاخرین میں جامع سلف اور مقتدائے خلف تھے" (تہذیب الاخلاق جلد دوم صفحہ ۱۶۴)اپنی مشہور کتاب حجتہ البالغہ میں طبقاتِ علوم الدین پر بحث کرتے ہوئے ان کی تقسیم یوں کرتے ہیں کہ طبقہ اول حدیثوں کے پہچاننے کا علم ہے کہ کونسی صحیح ہے اور کونسی ضعیف ، طبقہ دوم قرآن اور احادیث کے معنی بیان کرنے کا علم ہے۔ طبقہ سوم قرآن اور احادیث سے احکام شرعیہ کے اخذ کرنے کا علم ہے اورطبقہ چہارم مذہب اسلام کے اسرار جاننے کا علم ہے۔ اور شاہ صاحب موصوف کے نزدیک علم اسرار دین ہی سب کا سرتاج ہے۔علمائے اہل اسلام کا یہ خیال رہا ہے کہ علم اسرار دین کو عام لوگوں میں پھیلانے سے جو ان کی سمجھ سے باہر ہے کچھ فائدہ نہیں بلکہ ان کی تصدیق کو تشکیک میں ڈالنا ہے۔ اسلامی فلسفہ کے سرتاج، امام غزالی اور حضرت شاہ ولی اللہ جیسے اشخاص کوعلمائے اسلام اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب کوستے رہے ۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کہتے ہیں کہ" صوفیا کا یہ خیال ہے کہ رسول عربی نے حضرت علی اور حضرت ابوبکر کو چند خفیہ باتوں کی تعلیم دی تھی جو قرآن میں نہیں ہیں اور اپنی تائید میں قرانی آیت کو پیش کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ ہم نے ایک رسول تمہارے ہی درمیان سے تم میں سے بھیجا جوہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھتا ہے اور تمہیں سنوارتا ہے اور کتاب اور حکمت اوروہ باتیں تم کو بتاتاہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ صوفیا کہتے ہیں کہ چونکہ لفظ " حکمت" یہاں وارد ہوا ہے لہذا یہ حکمت" کتاب" کی تعلیم میں داخل نہیں ہے اور یہ "حکمت" وہی " باتیں ہیں جو تم نہیں جانتے تھے " اگر " حکمت" کتاب میں داخل ہے تو لفظ " حکمت " زائد[92]ہوگا۔ خود قرآن مجید میں یہی لفظ μοστηριου بعینہ مشرکانہ معنوں میں لفظ" غیب" سے ادا کیا گیا ہے مثلاً" یومنون بالغیب " (سورہ بقرہ وغیرہ) صوفیا خدا کے لئے بھی لفظ " غیب الغیوب" انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی وارد ہوا ہے کہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ " رسول اللہ نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور اس کی ہر ایک آیت کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اورایک باطنی " (مشکواۃ کتاب العلم مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۲۵) پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر ہے کہ " اعمش نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ علم کی دوآفتیں ہیں ایک تو بھول جانا اور دوسرا اس کو اس شخص کے سامنے بیان کرنا جو اس کا اہل نہیں۔

[92] Iqbal, Development of Persian Metaphysics p.107.

اسلامی تاریخ پر ایک اجمالی نظر

غالباً خواجہ کمال الدین صاحب اسلامی تاریخ میں بصرہ کے اخوان الصفا کی جماعت سے واقف ہونگے۔ جس طرح ہم نے باب اول میں دکھایا ہے کہ مذاہب اسرار یا مشرکانہ مذاہب مخفی جماعتیں تھیں اسی طرح اخوان الصفا بھی ایک مخفی جماعت تھی۔ جس طرح مذاہب اسرار میں مختلف مدارج ہوتے تھے اور" سب سے اعلیٰ مرتبہ کی جماعت کی ایک پوشیدہ تعلیم تھی جس کا بہت بڑا حصہ ۔ فیثا غورثی فلسفہ فطرت سے ماخوذ تھا"[93] ۔ تاریخ فلسفہ اسلام مصنفہ دوبوئر مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین مطبوعہ جامعہ ملیہ دہلی ۱۹۲۷ء صفحہ ۵۸) محرم راز لوگوں کے سامنے قرآن کی تفسیر اسی مثالی حیثیت سے پیش کی جاتی تھی جس طرح مذاہب اسرار کے پروہت اپنے دیوتاؤں کی کہانیوں کی تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا کرتے تھے ۔ جس طرح مذاہب اسرار کے پیرو جسم اورمادہ کو حقیر سمجھتے تھے اسی طرح خوان الصفا جسم کو ذلیل اورمادی چیزوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ فاضل دبوئر کی کتاب تاریخ فلسفہ اسلام پر ہمارے نتائج مبنی ہیں جس کی بابت ڈاکٹر عابد حسین صاحب ۔ ایم ۔اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ڈی (برلن) کہتے ہیں کہ " مجموعی حیثیت سے یہ کتاب اسلامی فلسفہ پر ان چند کتابوں میں سب سے زیادہ مستند ہے جو اس عہد میں لکھی گئی ہیں"۔ ملک ہالینڈ کا یہ فاضل مصنف ہم کو بتاتا ہے کہ ان کی کتاب قاموس میں " انتخابی عناسطت کا رنگ پایا جاتاہے جو فلسفہ فطرت پر مبنی ہے اور سیاسی بنیاد رکھتا ہے۔اس کی بنیاد ریاضی کے مباحث سے جن میں ہندسوں اور حرفوں کی طلسم بندی کی گئی ہے شروع ہوتی ہے اور منطق وطبیات سے گذرتی ہوئی آخر میں صوفیانہ ساحرانہ انداز سے عرفان الٰہی کی طرف قدم بڑھاتی ہے" صفحہ ۶۰ ناظرین نے ہماری کتاب کے باب اول سے معلوم کرلیا ہوگا کہ یہ تمام کی تمام باتیں مذاہب اسرار کی خصوصیات میں سے تھیں۔ پھر دوبوئر لکھتاہے کہ اس کتاب میں " ایک مظلوم فرقہ کی فریاد کا رنگ ہے" اور اخوان الصفا مصائب اورمظالم سے خلاصی پانے کی امید رکھتے تھے اور صبر کی تلقین کرتے تھے اور وہ " اس روحانی فلسفہ سے نجات کے طالب تھے یہ ان کا مذہب تھا"۔ مذاہب اسرار کے پیروؤں کا بھی بعینہ یہی حال تھا۔ ہم نے باب اول میں یہ ظاہر کردیا تھاکہ مذاہب اسرار مختلف مذاہب کے عناصر کا انتخاب کرکے ان کو یکجا کردیتے تھے۔ دوبوئر میں بتاتاہے کہ" اخوان الصفا خود اپنی زبان سے انتخابیت کا اعتراف کرتے ہیں۔وہ تمام اقوام ومذاہب کی دانش جمع کرنا چاہتے تھے" صفحہ ۶۱ ۔ مذاہب اسرار عوام کے لئے ایک طرح کی باتیں اور خاص اہل حلقہ کے لئے دوسری طرح کی تعلیم پیش کرتے تھے اخوان الصفا بھی کہتے تھے کہ " مشرع اپنے لفظی احکام کے اعتبار سے عوام کے لئے اچھی چیز ہے یہ ایک دوا ہے کمزور اور مریض روحوں کے لئے لیکن قوی نفوس کے لئے فلسفیانہ خیالات ہیں" صفحہ ۶۱۔ مذاہب اسرار کی طرح یہ بھی " بجائے واقعات سے بحث کرنے کے تمام علوم میں اول سے آخر تک لفظی قیاسات اور عددی تناسب کا خیالی طلسم بتاتے تھے۔۔ اشیا کی تعبیر نظام اعداد سے کی جاتی تھی" صفحہ ۶۳۔ جس طرح مذاہب اسرار ستاروں اور علم نجوم پر زور دیتے تھے اخوان الصفا کی کتاب میں بھی اول سے آخرتک یہ یقین موجود ہے کہ ستارے نہ صرف ہونے والے واقعات بتادیتے ہیں بلکہ دنیا کے تمام واقعات پر ان کا بلاواسطہ اثر بھی پڑتا ہے۔ صفحہ

---
[93] T.J.De Boer,Hist of Islamic Philosophy (Urdu Translations.p.58)

۶۳ ۔ اخوان الصفا کی تعلیم کا اثر اس بات سے ظاہر ہے کہ "جلیل القدر متکلم غزالی نے اس میں جو اچھی باتیں تھیں ان کے لینے میں تامل نہیں کیا۔انہوں نے ان لوگوں کے دائرہ خیال سے اس سے زیادہ اخذ کیاہے جتنا کہ وہ اعتراف کرتے ہیں قاموس کا اثر اسلامی مشرقی ممالک میں آج تک باقی ہے صفحہ ۲۹۔ غزالی نے اپنی دینیات میں " خواہ جان کر یا بے جانے ہوئے بہت سے فلسفیانہ عناصر اپنے یہاں داخل کرلئے ہیں۔ اس لئے مغرب کے مسلمان عرصے تک ان کی دینیات کو بدعت کہے کر ان پر کفر کا الزام لگاتے رہے واقعی ان کی تعلیم خدا ، فطرت اور روح انسانی کے متعلق ایسے عناصر رکھتی ہے جو قدیم اسلام میں نہ تھے اور جو ایک حد تک مسیحی اور یہودی فلسفیوں کے اور کچھ بعد کے مسلمان متوسطین کےواسطہ سے مثنوی فلسفہ سے اخذ کئے گئے ہیں" صفحہ ۱۱۹۔ ڈاکٹر اقبال کہتاہے الاشعری نے اخون الصفا کی طرح امامت کے عقیدہ کی آڑ میں اپنے زمانہ کے تمام خیالات کو یکجا کرنے کی کوشش کی ۔ یونانی فلسفہ، مسیحیت، عقلیت ، صوفیانہ خیالات مانی مذاہب ایرانی بدعتوں اور سب سے زیادہ تجسم کے مسئلہ نے اسماعیلی خیالات میں جگہ پائی امام عصران خیالات کو صرف اہل حلقہ پر ظاہر کرتا تھا۔۔۔۔ یہی اسماعیلی خیالات اب بھی ہندوستان ، ایران، مرکزی ایشیا، شام اور افریقہ کے مسلمانوں کے اذہان پر غالب ہیں اور بابی مذہب تو درحقیقت اسماعیلی ہی ہے۔اسماعیلی عقائدنے درحقیقت یہ کوشش کی ہے کہ اسلام کو ایرانی خیالات اور معاصرانہ فلسفہ کے لباس میں پیش کرے اوراس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس نے قرآن کی تفسیر تمثیلی پیرایہ میں کی اور اسی اصول تفسیر کو صوفیوں نے اختیار کیا چودھویں صدی میں حروفی مذہب نے (جو اسمعیلیہ کی ایک شاخ تھا)ایک طرف صوفی مذہب کے ساتھ اور دوسری طرف مسیحی تثلیث کے ساتھ رابطہ پیدا کیا۔ حروفی کہتے تھے کہ لفظ "کن" خدا کا ازلی کلمہ ہے جو خود غیر مخلوق ہے لیکن دیگر اشیا کو خلق کرتاہے۔ کلمہ کے بغیر ذات باری کا علم ناممکن ہے کیونکہ یہ علم احساسات کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتا لہذا کلمہ باپ کو ظاہر کرنے کے لئے مریم بتولہ سے مجسم ہوا۔ عالم امکان اسی کلمۃ اللہ کا مظہر ہے "صفحہ ۵۸۔ ۶۳ اسی طرح "ذاتِ باری کے تصور کے بارے میں معتزلہ علما کے خیالات راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے خیالات سے بالکل مختلف ہیں اور یہ ان کے بنیادی اختلافات میں سے ہے۔۔۔ احمد اور فضل جو نظام کے شاگرد تھے کہتے تھے کہ ابتدائی خالق دو ہیں ایک خدا جو ازلی اصول ہے اور دوسرا کلمۃ اللہ عیسیٰ مسیح جو حادث ہے" صفحہ ۴۸۔ ۵۰) مسیحی خیالات کے زیر اثر اسلامی علم العقائد کی بنا پڑی۔چنانچہ دوبوئر کہتاہے کہ" قرآن سے مسلمانوں کو دین ملا تھا مگر علم دین نہیں۔ اس میں (یعنی قرآن میں)جو باتیں منطق کے خلاف تھیں جن کی تاویل ہم بدلنے والے حالات زندگی اور رسول اللہ کے مختلف مزاجی کیفیات سے کرتےہیں انہیں عہدِاولے کے خوش عقیدہ لوگ آنکھ بند کرکے بلاچون وچرا قبول کرلیتے تھے لیکن مفتوحہ ممالک میں انہیں مدون اور مرتب مسیحی تحکمی نظام زرتشتی اور براہمہ نظاموں سے سابقہ پڑا۔ ہم پہلے ہی ان چیزوں پر زوردے چکے ہیں جن کے لئے مسلمان عیسایئوں کے منون احساس ہیں مگر غالباً سب سے زیادہ اثر مسیحی خیالات کا علم العقائد پر پڑا۔ مسلم تحکمی عقیدہ کا نشوونما دمشق میں ارتوذکسی اور طبعیت واحد کے نظاموں سے اور بصرے اور بغداد میں نسطوری اور عناسطی نظریوں سے متاثر ہوا"۔ صفحہ ۳۰ پھر یہی فاضل ہم کو بتاتا ہے کہ عیسائیوں کی تقلید کرنے میں مسلمانوں کو مشکل پڑی کیونکہ" استدلال کا اسلام میں داخل کرنا ایک بڑی زبردست تجدید تھی

روایات (حدیث) کے ماننے والوں نے بڑے زور شور سے اس کی مخالفت کی۔ علم الفرائض کے باہر جو کچھ تھا سب کو کفر کہا جاتا تھا۔ عقیدہ کے معنی نہیں جانتے تھے۔ یہ لوگ غور وفکر کو قریب قریب اہل ایمان کا فرض قرار دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ زمانہ بھی اس خیال سے مانوس ہو گیا صفحہ ۱۳۔ معتزلہ فرقہ کی ابتدا کی نسبت ڈاکٹر اقبال کہتا ہے کہ" یونانی خیالات کو ہضم کرنے کی وجہ سے معتزلی خیالات اسلام میں پیدا ہوئے۔ مختلف خیالات کے لوگ بصرہ کے مشہور شہر میں تجارت کی غرض سے جمع ہوجاتے تھے پس یونانی فلسفہ، تشکیک۔ بدھ مت ۔ مانی خیالات اور مسیحیت کے عقائد ہر وقت متلاشی حق کے پیش نظر رہتے تھے ۔ انہی حالات میں معتزلہ خیالات نے پرورش پائی تھی "صفحہ ۴۶۔ ۴۷ ۔اسلام میں مسیحی اثر کو اتنا دخل ہو گیا کہ" معاویہ کی فتح کے بعد جس نے دمشق کو اسلام کا دارالسلطنت بنادیا مدینہ کی اہمیت محض ذہنی حیثیت سے باقی رہے گئی اسے اس پر اکتفا کرنی پڑی کہ ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیرِ اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کرے۔۔۔۔ تاریخ فلسفہ اسلام صفحہ ۲۔ جب عربوں کی تلوار نے مختلف اقوام پر فتح پائی تو انہوں نے فوجی امارتی حکومت کا نظام قائم کیا لیکن " علوم وفنون کی تحصیل ابتدا میں غیر عرب اور مخلوط النسل لوگوں کے لئے چھوڑدی گئی شام میں لوگ عیسائی مدارس میں تعلیم پاتے تھے۔ ذہنی تعلیم کا مرکز کوفہ اور بصرہ تھے جہاں عرب۔ ایرانی مسلم عیسائی یہودی اور گبر ایک دوسرے سے ملتے تھے جن مقامات پر صنعت وحرفت کو فروغ تھا وہاں ایرانی اور مخلوط مسیحی یونانی اثرات سے اسلام میں علوم دنیا کی داغ بیل پڑی" صفحہ ۳۔ مثلاً اسلامی علم ہیئت کے متعلق سرسید احمد صاحب فرماتے ہیں" جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ یہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیموں نے اختیار کیا تھا وہی بعینہ بذریعہ ترجموں کے جو یونانی زبان سے عربی زبان میں ہوئے ہم مسلمانوں میں پھیل گیا جب قرآن مجید کی تفسیریں لکھی گئیں اور قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی ایسا مضمون آیا جو علم ہئیت سے علاقہ رکھتا تھا تو انہوں نے اس کی تفسیر اسی یونانی علم ہئیت کے اصول پر کی۔۔۔۔۔ رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھ اور مسائل مذہبی میں ایسا مل جل گیا کہ یونانی علم ہئیت سے انکار کرنا گویا مسائل ضرور یہ مذہب سے انکار کرنا خیال میں سما گیا" (تہذیب الاخلاق جلد دوم صفحہ ۲۲۶۔ ۲۲۷)تاریخ فلسفہ اسلام میں فاضل مصنف دوبوئر ہمیں بتاتا ہے کہ " ہندوؤں کی موشگافیوں نے جن کا تعلق ان کی کتب مقدسہ سے ہے اور جن پر مذہبی رنگ غالب ہے بے شک ایرانی تصوف اور اسلامی باطنیت پر اپنا اثر ڈالا" صفحہ ۷۔صوفی مذہب کی ابتدایوں ہوئی کہ " علم کلام سے سب نیک مسلمانوں کا اطمینان نہ ہوا۔ خدا کا عبادت گذار بندہ دوسرے راستہ سے اپنے مولا تک پہنچنا چاہتا تھا۔اس ضرورت نے مسیحی اور ایرانی ہندی اثرات سے قوی ہو کر اور ترقی یافتہ تمدنی حالت میں بے حد نشوونما پا کر اسلام میں وہ گروہ پیدا کردیا جو صوفی یا اہل طریقت کے نام سے مشہور ہے۔ اس اسلامی تقدس کی زندگی اور رہبانیت کے نشوونما نے شام اور مصر کی مسیحی خانقاہوں اور ہند کے نفس کشوں کی تاریخ کو دہرایا" صفحہ ۴۵ پھر ڈاکٹر اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ "نقشبندیوں" نے یوں ویدانت کے خیالات کو اسلام میں جذب کرلیا" صفحہ ۱۱۰ وہ اپنی مذکورہ بالا کتاب میں ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ" جب اسلام ایران میں آیا تو اس نے پرانا نظام بالکل توڑ ڈالا اور وحدتِ الہیٰ کے ساتھ یونانی خیال لایا کہ خدا اور مادہ میں دوئی کا رشتہ ہے" صفحہ ۱۲ پھر وہ کہتا ہے کہ آٹھویں صدی کے آخر میں جب غیر ملکی خیالات کے اثر

کی وجہ سے وحدت نے پھر زور پکڑا تو اس نے روحانی صورت اختیار کرلی اور نور اورتاریکی کی ایرانی دوئی فلسفہ کو بھی مابعد کے زمانہ میں اسی سے ترقی ہوئی اوراسی کی وجہ سے اس ایرانی خیال نے روحانی صورت بھی اختیار کرلی"صفحہ ۲۳ پھر ڈاکٹر اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ الغزالی اپنی کتاب مشکوۃ الانوار میں قرآنی آیت" خدا آسمانوں اور زمین کا نور" ہے کو اس قدیم ایرانی خیال (جونور اور تاریکی کے متعلق ہی کے مطابق ڈھالتا ہے" صفحہ ۸۷ سید امیر علی کو اقبال ہے کہ اسلامی بہشت دوزخ کی تصویر زرتشتی اور طالمودی خیالات کا عکس ہے۔

قرآن وحدیث اور مشرکانہ عناصر

علاوہ ازیں مصنف تعلیم محمدی نے کتب سیر واحادیث سے مختلف باتیں یکجا جمع کرکے دکھایا ہے کہ جس طرح مشرک جادو ٹوٹکہ، منتر، نظر بند، نیک وبد فال شگون خوابوں کی تعبیر چھینک جمائی وغیرہ وغیرہ پر ایمان رکھتے تھے جس کا ذکر ہم نے اس رسالہ کے باب اول میں کیا ہے اسی طرح اہل اسلام کی کتب احادیث اور معتبر روایات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت رسول عربی ان باتوں کے قائل تھے۔ ہم ناظرین کو تفصیل کے لئے کتاب ہذا کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرحوم اپنے مترجمۃ القرآن کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ سورہ فلق اور سورہ ناس پیغمبر پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت نازل کی تھیں جب اہل یہود نے آپ پر جادو چلائے۔ صاحب تفسیر حسینی سورہ فلق کے شانِ نزول کی نسبت لکھتا ہے کہ" ایک یہودی کا لڑکا رسول ﷺ کی خدمت میں مشغول تھا لبید بن عاصم یہودی کی لڑکیاں اس سے اصرار اورمبالغہ کرکے رسول اللہ کے بال مبارک مانگ لے گئیں اور حضرت کا نام لے کر ایک رسی پر جادو پھونک کے چاہ زروان میں ایک پتھر کے نیچے دبادیا جبرئیل نے حضرت سید انام کی خبر کی۔ حضرت نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو بھیجا۔ وہ رسی لے آئے اسمیں گیارہ گرہیں لگی تھیں تو حق تعالیٰ نے معوذتین یعنی سورہ قل اعوذ برب الفلق اور سورہ قل اعوذ برب الناس بھیجیں گیارہ آئتیں اورجبرئیل علیہ السلام نے یہ سورتیں پڑھیں توہر آیت کے ساتھ اس رسی کی ایک گرہ کھل گئی" ۔ اس واقعہ کا ذکر خواجہ صاحب کے منظور نظر مصنف ڈاکٹر فریزر نے اپنی کتاب میں بھی کیا[94] ہے۔ چونکہ ہم کو اختصار مد نظر ہے ہم ان واقعات کا ذکر نہیں کرتے جن سے ظاہر ہے کہ اسلام میں جادو ٹوٹکہ جھاڑ پھونک وغیرہ ایک جزولاینفک ہیں(دیکھو اہل حدیث بابت ۶ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۲) اور جس طرح اسلام دیگر امور میں شرک کا دست نگر تھا وہ ان امور میں بھی مشرکانہ مذاہب کا دست نگر رہا ہے چنانچہ مولوی سعید انصاری صاحب سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ اپنی کتاب سیر انصار میں انصار کے قبل ازاسلام مذہب وعقائد پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں" ان کے عقائد میں چند باتیں اوربھی داخل تھیں جن میں ایک جھاڑ پھونک بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک اس کے جاننے والے موجود تھے چنانچہ طبرانی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت نے جھاڑ پھونک سے ممانعت فرمائی تو عمر بن جبیہ نے کہا کہ میں سانپ کے کاٹے کو جھاڑتا تھا اورآپ منع فرماتے ہیں حالانکہ میں اس کا منتر جانتا ہوں اورجھاڑتا ہوں آنحضرت ﷺ نے اس سے منتر سنا تو فرمایا اس میں کچھ ہرج نہیں۔ اسکے بعد ایک دوسرا انصاری آیا اورکہا کہ میں بچھو کو جھاڑتا ہوں آپ نے کہا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو پہنچائے۔ صفحہ ۱۴۹۔

[94] Amir Ali, Spirit of Islam:p.394 (London 1891)

مکہ میں خانہ کعبہ مشرکین کے بتوں کے مندروں میں سے ایک[95] ہے۔ جس میں روایت کے مطابق حضرت کے زمانہ میں ۳۶۵ بت تھے۔ کعبہ کے پردوں کا ہر سال بدلنا رسوم شرکیہ میں سے[96] ہے ۔ اونٹ کی قربانی بھی انہی رسوم شرکیہ کی یادگار[97] ہے۔ حج کے دوران کی رسوم مثلاً حجر اسود کو چومنا وغیرہ بھی زمانہ قبل از اسلام کی یادگاریں[98] ہیں ان پتھروں کو پوجنے کی وجہ سے سکندریہ کا کلیمنٹ کہتا ہے کہ عرب پتھروں کو پوجتے ہیں[99] اسلام میں گائے بکری بھیڑ کی قربانیاں بھی انہی رسوم شرکیہ[100] کی یادگار ہیں۔ لفظ " مسجد" ارامی" مسجدا" سے نکلا ہے جو نباتی دیوتاؤں کےمندر کا نام تھا۔ کعبہ کے گردطواف کرنا، صفا اور مردہ میں سے گذرنا احرام باندھنا وغیرہ تمام اسلامی حج کی رسوم اسی جاہلیت کےزمانہ کی یادگارہیں جن کو آنحضرت نے مشرکین سے اختیار کرلیا تھا لبیک کی صداہرطرف سے کانوں میں پڑا کرتی تھی۔ختنہ کرانا، جنوں اور دیوؤں پریقین کرنا انہیں قدیم عقائد کی صدائے باز گشت ہے۔ اسلامی نفسیات بجنسہ وہی ہے جس کو مشرک مانتے تھے۔ مزید براں عرب کے مشرکین اس امر کے قائل تھے کہ ان کی دیویاں درحقیقت اللہ کی بیٹیاں ہیں(سور نحل آیت ۵۹)۔ مسلمانوں کے خدا کا نام" اللہ " خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت رسول عربی نے مشرکین عرب کے معبود اور دیوتا" اللہ " کو بہتر صفات اور اسمائے حسنہ سے متصف کرکے اپنا معبود قرار دیدیا ۔ مولانا شبلی اپنی

[95] Frazer, Golden Bough p.241.
[96] Margoliouth ,Religions of Bible Lands p.0
[97] Ibid.p.34.
[98] Ibid p.41
[99] Ibid p.47
[100] Noldeke, Encyclopaedia of Religion and Ethics. Pp.659-673.

کتاب سیرۃ النبی حصہ اول میں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں اور تائید میں نص قرآنی پیش کرتے ہیں "۔ اور اگر ان لوگوں (کافروں) سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے تابعدار بنارکھاہے تو بول اٹھینگے کہ اللہ نے " (عنکبوت ۶۱) جب یہ (کافر، کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ ہی کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں"(عنکبوت ۶۵)مولانا موصوف" مشہور مستشرق نولدیکی" کا قول مذاہب واخلاق کے سائیکلوپیڈیا سے داد تحسین کے ساتھ نقل کرتے ہیں جہاں یہ مصنف کہتا ہے کہ" اللہ جو صفا کے کتبوں میں " ھلہ " لکھا ہوا ہے نباتی اور دیگر قدیم باشندگانِ عرب شمالی کے نام کا ایک جز تھا۔۔۔ نباتی کتبات میں " اللہ " کا نام بطور ایک علیحدہ ومعبود کے نہیں ملتا۔ لیکن صفا کے کتبات میں ملتا ہے۔متاخرین مشرکین میں " اللہ کا نام نہایت عام ہے۔ ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں "اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے۔ نباتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے اس سےولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ " اللہ" کالقب جوپہلے مختلف معبودوں کے لئے استعمال ہوتا تھا زمانہ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور علم کے مخصوص ہوگیا" صفحہ ۱۱۶ - ۱۱۷ - نولدیکی صاحب اسی انسائیکلوپیڈیا میں قرآن کے اور بھی حوالہ دیتے ہیں جس سے " بغیر کسی شک وشبہ کے یہ ثابت ہوتاہے کہ مشرک"خود اللہ " کو عظیم ترین معبود مانتے تھے" مثلاً سورہ یونس ۲۳آیت۔ سورہ لقمان آیت ۳۱۔

جرمن نقاد شولیٹرز اسلام اور مسیحیت کا مقابلہ کرتا ہوا لکھتاہے کہ" مسیحیت اوراسلام کی روحانیت کا موازانہ کرنے کی حاجت نہیں۔ اسلام ساتویں

صدی کے آخری حصہ میں یہودی اور عیسائی تاثرات کے تحت پیدا ہوا ہے۔ اس میں کوئی نئی طبعزاوروحانیت نہیں ہے اور نہ اس میں مذہب میں خدا اور انسان کے متعلق گہرے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اس کی قوت اس حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ وحدت خدا کا قائل ہے اور کسی حد تک اخلاقی مذہب بھی ہےاس میں ابتدائی منازل کے اذہان کے خیالات محفوظ ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام میں چند عمیق صوفیانہ خیالات جہد للبقا کررہے ہیں لیکن یہ صوفیانہ خیالات زرتشتی اورہندی تاثیرات کا نتیجہ ہیں اور بار بار ان کو دبایا جاتا ہے۔

کتاب ینابیع الاسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوجاتاہے کہ " قرآن ایک تالیف ہے جو یہودی ، عیسائی ، صابئی ، عربی ، زرتشتی حکایات رسمیات اعتقادات وتعلیمات پر مشتمل ہے۔"(تالیف القرآن صفحہ ۱)۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوجاتاہے کہ اسلامی عقائد ، فلسفہ ، تعلیم، رسوم وغیرہ پر یونانی فلسفہ شرک، متھرا مذہب ، بدھ مت۔ ویدانت ، زرتشتی خیالات ، مانی خیالات ، ایرانیت ، یہودیت وعیسائیت کا ایسا گہرا اثر پڑا کہ فاضل مصنف دوبوئر کہتا ہے کہ اسلامی "تاریخ عمل تخلیق کے مقابلہ میں عمل ہضم کہلانے کی زیادہ مستحق ہے" صفحہ ۱ ۲۔ قصہ کوتاہ اسلام ایک کچکول ہے جس میں ہر طرح کے عناصر بغیر کسی ربط کے رکھے پڑے ہیں اسلام اور اسلامی تاریخ نے حضرت علی کے اس قول پر پورا عمل کیا کہ" دنیاوی علم ودانش مومنوں کی کھوئی ہوئی بھیڑ ہے اسے واپس لو خواہ کافروں ہی سے کیوں نہ ہو"صفحہ ۵۲۔

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ ہم اسلام اور مشرکانہ عناصر پر مفصل بحث کریں البتہ ع مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات کے مصداق ایک سطحی نظر اسلام وقرآن پر ڈالی ہے تاکہ خواجہ صاحب اپنے گھر کے کفر سے آشنا ہوں۔

ترازکافِ کفرت ہم خبر نیست
حقائق ہائے ایماں راچہ دانی